تعارف مرکز فکر اسلامی

ہندوستان میں اسلام اور مسلمان دونوں خطرناک دور سے گزر رہے ہیں ایک طرف مسلمانوں کو طرح طرح کی سازشوں کا سامنا ہے تو دوسری طرف علمی فکری اور تہذیبی ہر اعتبار سے اسلام پر حملہ آور ہونے اور مسلمانوں کا اس سے رشتہ منقطع کرنے کی کوششیں ہو رہی ہیں ایسے وقت میں غفلت کے بجائے بیدار مغزی اور ہوشیاری سے ہر محاذ کو زیادہ سے زیادہ مضبوط بنانے کی کوشش اور ہر پہلو سے مسلمانوں اور اسلام کو طاقتور بنانے کی ضرورت ہے۔ جن نئے حالات جس نئے تہذیبی حملہ اور جن مکارانہ سازشوں کا ہمیں سامنا ہے ان کو بے نقاب کرنے اور اپنے سرمایہ ایمانی اور دولت اسلامی سے واقف کرانے کے لئے ہی "مرکز فکر اسلامی" کی بنیاد ڈالی گئی ہے۔ فی الحال ہمارے پیش نظر یہ ہے کہ وقت کے الجھے ہوئے مسائل پر مسلمانوں کے اندر خود اعتمادی پیدا کریں اور ان کو اسلام کی عظمت سے متعارف کرائیں اس لئے ہم نے یہ طے کیا ہے کہ مختصر انداز میں ایسے مسائل پر سہ ماہی سلسلہ کا آغاز کر دیں انشاء اللہ ہر ششماہی پر ہم اپنے ادارہ کی طرف سے وقت کے کسی اہم موضوع پر اسلام اور مسلمانوں کے تعارف کا فرض انجام دیتے رہیں گے۔ اس کے ساتھ ہمارے پیش نظر یہ بھی ہے کہ جلد ایک ماہنامہ رسالہ کا اجراء کیا جائے جس کا مقصد نہ تجارت ہوگا اور نہ ہی اپنوں یا غیروں کے کام و دہن کی لذت میں اضافہ، بلکہ اس کے ذریعہ ہماری کوشش ہوگی کہ مسلمانوں میں آہستہ آہستہ خود اعتمادی پیدا ہو وہ حقیقت پسندی کے ساتھ حالات کا صحیح جائزہ لیں اور اسلام کو ایک انقلابی طاقت کے روپ میں پیش کرنے کے قابل ہو سکیں۔ منصور نعمانی ندوی

فہرست مضامین



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

جو لوگ ہندوستان کی ایک بڑی تعداد کو "اچھوت" اور ناپاک قرار دیکر معاشرہ کو ذاتوں میں تقسیم کرکے ظلم کی ناؤ کھینے میں مصروف ہیں وہ چاہتے ہیں کہ مسلمان اس دین کو جس نے اسے بلند حوصلہ اور عزم جواں دیا ہے۔ اور جس کی تعلیمات، بھائی چارگی اور احترام انسانیت سے بھری ہوئی ہیں ترک کردے اور اپنی زندگی کا نظام ترتیب دینے کے لئے ان آقاؤں کی سمت دیکھے جو دس ہزار فسادات برپا کرچکے ہیں جن کے سامنے مسلمان عورتوں بچوں، جوان بوڑھے اور غریب مسلمانوں کی نعشیں مظلومیت کے خون میں لہو لہان تڑپتی رہیں۔ قاتل نامعلوم اور قانون بے دست و پا رہا حرکت میں آیا تو غریب مسلمانوں کو ہی "مجرم" ثابت کرنے کی کوشش کی گئی۔ ان تمام حرکتوں کے بعد مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی کا دعویٰ اور نعرہ لیکر یہ لوگ اب چاہتے ہیں کہ مسلم پرسنل لا کو بدل دیا جائے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ مسلمان مجبور ہے۔ اس لئے خاموش رہے گا بزدل ہے۔ چون وچرا نہ کرے گا۔ بیوقوف ہے۔ اس لئے ان کا احسان مانے گا اور فاقہ مست ہے اس لئے مسلمانوں کے عائلی قانون میں اس تبدیلی کے لئے کرائے کے ایسے "ٹٹو" بھی فراہم کردے گا جو ان کی آواز میں آواز ملاتے رہیں

مسلمانوں کو فریب دینے والی یہ قسم، مرصوک صفت ہو یا "محمد علی کریم بھائی چھاگلا" اور نورالحسن جیسی۔ ان کے اپنے اپنے مقاصد ہیں جن سے ہمیں سروکار نہیں لیکن جن مسموم اور تباہ کن طوفانوں کا ہمیں سامنا ہے ہم ان سے چشم پوشی نہیں کرسکتے مسلمان اپنی ہستی کو موج حوادث کے سپرد کردے اور آہ نہ کرے یہ ممکن نہیں۔

صدا روزنامہ الجمعیتہ دہلی مورخہ ۲۸ دسمبر ۱۹۷۲ء

اسی ضرورت کے پیش نظر یہ رسالہ پیش کیا جا رہا ہے۔ مسلم پرسنل لا کیا ہے۔ اس کی حکمتیں اور غیروں کی سازشیں، سب کو مختصر و عام فہم انداز میں بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ امید ہے کہ "مسلم پرسنل لا" کا تعارف اور اس کی عظمت سے آگاہی کے سلسلہ میں یہ رسالہ مفید ثابت ہوگا۔

اس موقع پر میرے لئے خوشی اور سعادت کی بات ہے کہ حضرت والد محترم مولانا مفتی محمد ریاست علی صاحب مدظلہ نے اپنی مصروفیات کے باوجود پورے رسالہ کو سنکر کئی جگہ اہم مشوروں سے نوازا۔ دراصل ان کے فیض تربیت کا ہی نتیجہ ہے کہ میں اس جیسے رسالہ کی ترتیب کا اہل بن سکا۔ رسالہ کی طباعت کے ہر مرحلہ میں عزیز مکرم مولوی منصور نعمانی ندوی کی اعانت کو دخل رہا۔ وہ "مرکز فکر اسلامی" کے اہم رکن بھی ہیں اور اس کے لئے کوششوں میں ہمارے بہت زیادہ معاون بھی۔ جناب محمد یعقوب صاحب خوشنویس اور محمد فاروق صاحب خوشنویس شدید علالت کے باوجود رسالہ کی کتابت کی اور جناب لئیق اللہ صاحب حنفی و انیس احمد صاحب جبریلی پریس نے پوری دلچسپی کے ساتھ کتابچہ کو طبع کرایا۔ ہم ان تمام حضرات کے شکر گذار ہیں۔

آخر میں ہماری یہ درخواست ہے کہ ہندوستان میں "فکر اسلامی" کی حفاظت کے لئے کوشش کرنے والے فکر مند حضرات اس رسالہ کا بغور مطالعہ فرمائیں گے اس کی اشاعت میں حصہ لیں گے۔ اور مرکز فکر اسلامی کے معاون خصوصی دعوتی بن کر اردو ہندی اور انگریزی میں ہمارے پروگرام کو آگے بڑھانے کا سبب بنیں گے

۷ رمضان المبارک ۱۳۹۳ھ
۱۶ اکتوبر ۱۹۷۳ء
بروز پیر

عبید اللہ کوٹی ندوی
ناظم مرکز فکر اسلامی۔ فتح گڈھ بھوپال

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آفتاب نبوت کا طلوع

انسانی تاریخ کا طول و عرض ماضی میں ہزاروں سال تک جاتا ہو یا لاکھوں برس تک، بہرحال ابھی تیرہ سو برس سے کچھ قبل ہی دنیا کی روحانی راجدھانی مکہ مکرمہ میں ہدایت کا آفتاب طلوع ہوا۔ حالات نے اس کے نورانی چہرہ پر کفر کی دھول ڈالنی چاہی، سازشوں، ہڑتالوں اور احتجاجی نعروں کے ذریعہ اسے پریشان کیا گیا، تجارت اور لین دین کی راہ سے تنگ کیا گیا۔ معاشی بائیکاٹ کے بعد بھی جب محمد عربیؐ اور ان کے ماننے والوں میں اضافہ ہی ہوتا رہا تو اس وقت کے تجارتی اور گھریلو کاروباری اداروں میں جو مسلمان ملازم تھے ان کو طرح طرح سے اذیتیں دی گئیں۔ حد یہ ہے کہ ایک بار اس قصہ کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دینے کی نیت سے رحمت دو عالم اور محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی سامنے سے ہٹا دینے کی کوشش ہوئی۔ رات کی تاریکی میں مکر و فریب کے ہر ممکن ہتھیاروں سے لیس ہو کر کفر نے یہ سمجھا کہ وہ اپنا خاموش جال بچھانے میں کامیاب ہو گیا ہے مگر۔

زمانے میں اہل ایماں صفت خورشید جیتے ہیں
ادھر ڈوبے ادھر نکلے، ادھر ڈوبے ادھر نکلے

آفتاب نبوت مدینہ میں جا کر ایسا طلوع ہوا کہ اس کی ضو فشانی سے صرف آٹھ سال کے عرصہ میں ساری سرزمین عرب منور ہو گئی مگر آپ جانتے ہیں کہ اس عرصہ میں کیا ہوا؟ مکہ کے بیچاروں پر کیا گزر رہی؟ ان کو ملازمتوں سے نکال دیا گیا، تجارتی سفروں کے لئے ان کی اجازتیں منسوخ کر دی گئیں ان میں جو دولتمند تھے ان کی دولت کو قومی ملکیت میں لے لیا گیا ایسے حالات پیدا کر دیئے گئے کہ مسلمان یا تو اپنی جائداد سے، مکانات سے، کاروبار سے دستبردار ہو کر وطن سے بے وطن ہو جائے، یا پھر وطن میں ہی بے وطنی کی زندگی گزارے۔ اور ہر لمحہ کفر کے دار سہے اس کے لئے اپنے طریقہ زندگی پر چلنا ناممکن ہو گیا۔

مکہ میں قانون اسلامی

ان مسلمانوں کا فیصلہ تھا کہ اپنے وطن میں رہیں یا نہ رہیں خدا اور اسکے رسول کا دیا ہوا قانون ہی ان کا دستور رہے گا اور وہ اپنے گھریلو معاملات اور داخلی مسائل میں کسی طور پر بھی حکومت کی مداخلت برداشت نہ کریں گے۔ تمام مسلمانوں کا ایک امیر اور امام ہوگا۔ نماز باجماعت کا نظم کیا جائے۔ نکاح و طلاق اور تجارت میں دین کے جتنے بھی قوانین نازل کیے گئے ان میں فیصلہ کی اصل قرآن و حدیث، ہوں گے نہ کہ قانون وقت۔

غیر اسلامی اقتدار کے باوجود

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ

آ گئے تو لوگ آس پاس کے مختلف قبیلوں اور بستیوں سے مسلمان ہو ہو کر مدینہ آنے لگے یہاں قانون اسلامی کی حکمرانی تھی لیکن بہت سے ایسے قبائل اور کئی ایسی بستیاں بھی تھیں جہاں سے مسلمانوں نے اپنا مستقل قیام ترک نہیں کیا تھا خصوصاً صلح حدیبیہ کے بعد مسلمان جن جن علاقوں اور بستیوں میں آباد تھے ان میں کئی جگہ ایسی آبادیاں بھی تھیں جہاں مسلمان غیر مسلموں کے درمیان زندگی گزار رہے تھے لیکن ان مسلمانوں کو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے قانون اسلامی سے گریز کی اجازت نہیں دی اور نہ ہی مسلمانوں نے اپنے آپ کو قانون اسلامی کی حکمرانی سے باہر سمجھا۔

قانون اسلامی سے بچنے والے مذکورہ بالا مقدس گروہ کے علاوہ ہر زمانہ میں کچھ لوگوں نے قانون اسلامی سے بچنے کی کوشش کی ہے ان کے جذبات اور ذہنی کیفیت کی قرآن نے کھل کر پردہ دری کی ہے وہ کہتا ہے۔

وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ ۝

اور جو لوگ اللہ کے اتارے ہوئے قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہ منکرِ خدا ہیں

وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝

اور جو لوگ اللہ کے اتارے ہوئے قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہ ظالم ہیں

وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ

اور جو لوگ اللہ کے اتارے ہوئے قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہ بدکار ہیں

ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ قانون الٰہی سے بچ کر کوئی اور قانون

اپنانے اور دوسروں پر ٹھونسنے والے تین قسم کے لوگ ہیں وہ یا خدا
کے منکر اور باغی ہیں جو حکومت اور معاشرے کے کسی بھی شعبہ میں قانون
الٰہی کو نافذ کرنا نہیں چاہتے وہ غرور اور فریبِ نفس کے دھوکہ میں
یہ سمجھتے ہیں کہ سارے مسائل کا حل ان کے اپنے ہاتھ میں ہے ہر مشکل کو
اپنے ناخنِ تدبیر سے حل کر سکتے ہیں وہ اس فریب میں مبتلا ہیں کہ
قوم اور ملک میں کسی دوسرے خدا کی خدائی کے بجائے ان کی اپنی خدائی
اور کبریائی کا اعتراف ہونا چاہیے، انسانوں کی یہ قسم دنیا میں ہر جگہ
اور ہر زمانہ میں پائی جاتی رہی ہے اور حالات نے یا تو ہر وقت ان
کے سر پر غرور کو توڑ دیا ہے اور یا پھر زمانہ اور کائنات اپنی رفتار
اور انداز سے چلتے رہے اور ان بیچاروں نے اس کی رفتار کو موڑ
لینے یا کم کرنے کے لئے کچھ عرصہ تک تو اپنی چھوٹی چھوٹی کھوپڑیاں
تیز کیں اور کوششیں کیں مگر جب کچھ نہ ہوا تو مایوس اور نامراد ہو کر بیٹھ گئے
دوسری آیت میں قانونِ الٰہی سے بچنے والوں کو ظالم کہا گیا
ہے ظالم چاہتا ہے کہ اہلِ حق کو ان کا حق نہ ملے، خاندانی، شہری
قبائلی اور قومی یا طبقہ داری عصبیتوں کی وجہ سے یا اقرباء پروری کے
جذبہ سے مجبور ہو کر ظالم غیر مستحق کو آگے بڑھا کر مستحق کو پیچھے ہٹانا چاہتے
ہیں اور چونکہ قانونِ الٰہی رکاوٹ بنتا ہے اس لئے ان کے دل کی آرزو
ہوتی ہے کہ اس کے بجائے اپنا یا اپنے جیسوں کا بنایا ہوا قانون نافذ کریں
تیسری آیت میں قانونِ الٰہی سے بچنے والوں کو بدکار کہا گیا
ہے چونکہ قانونِ الٰہی بدکاری اور بے حیائی سے منع کرتا ہے اسلئے

یہ قانون الٰہی سے بچکر دوسرے قوانین کی پناہ لیتے ہیں تاکہ اس طرح اپنے نفس کی بھوک مٹا سکیں۔

اسلامی قانون کا مقصد مندرجہ بالا گفتگو کی روشنی میں قانون اسلامی کا مقصد بھی واضح ہو جاتا ہے یعنی کفر کی جگہ ایمان، ظلم کے بجائے عدل و انصاف اور بدکاری اور فسق کے بجائے اخلاق کی پاکیزگی، پہلی بنیاد کا مطلب یہ ہے کہ ملک اور قوم میں خالق کائنات کی عظمت کا تصور پیدا ہو یہ احساس ہو کہ خدا نے اپنے پیغمبروں کے ذریعہ مقصد تخلیق کی وضاحت کی ہے اور اچھے برے عملوں کے نتائج ایک نہ ایک دن سامنے آنے والے ہیں اور ان سے کسی بھی شاہ و گدا غریب و امیر اور بڑے و چھوٹے کو مفر نہیں، اس دنیا میں ہر شخص کو اس خیال کے ساتھ زندگی گزارنی ہے کہ وہ خدا کے سامنے جوابدہ ہے۔ اور خدا سے اس کا کوئی عمل، ارادہ یا نیت پوشیدہ نہیں

دوسری بنیاد کا مطلب یہ ہے کہ اسلامی قانون جانب داری پر مبنی نہیں ہر قوم، قبیلہ، رنگ، نسل، خاندان ملک اور طبقہ داریت سے بالاتر ہو کر اس نے ہر ایک کے حقوق مقرر کئے ہیں اس کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ ہر صاحب حق تک اس کا حق پہنچ جائے۔

تیسری بنیاد یہ معنی دیتی ہے کہ پاکیزگی اخلاق اور بلندی کردار قانون کی بنیادی ضرورت ہے وہ سیاسی، اقتصادی یا طبقہ داری مصلحتوں کی خاطر کسی بھی حال میں اپنے اس اصول کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔ وہ بدکاری، اور بے حیائی کے تمام مرکزوں پر براہ راست

حملہ آور ہونا چاہتا ہے اور یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ ایک طرف اس کی حکمرانی بھی رہے اور دوسری جانب قومی کردار کو تباہ کرنے والے ذرائع بھی پھیلتے اور پھولتے رہیں۔

مسلم پرسنل لا انگریزوں اور نپولین کے عہد میں

قانون اسلامی ایک مکمل قانون ہے جس میں زندگی کے ہر شعبہ سے متعلق ہدایات دی گئی ہیں اور تیرہ سو برس کے طویل عرصہ میں اس کا چلن رہا ہندوستان میں اسلامی حکومت کے خاتمہ کے بعد قانون اسلامی کی جگہ تعزیرات ہند کا نفاذ ہوا اسی طرح دوسرے ملکوں میں جہاں اسلامی حکومتیں ختم ہوئیں اسلامی قوانین کے بجائے دوسرے قوانین رائج کئے گئے۔ لیکن اسلامی قانون کے ایک حصہ یعنی مسلم پرسنل لا کو یہاں نہ ہندوستان میں انگریزوں نے ہاتھ لگایا نہ مصر کے فاتح نپولین بوناپارٹ نے مصر میں۔

اقلیتیں مسلم اقتدار میں

انگریزوں یا نپولین کا یہ طرز عمل کوئی نئی بات یا مسلمانوں پر احسان نہ تھا کیونکہ اسلام نے تو اپنے حدود حکمرانی میں مذہبی اقلیتوں کے پرسنل لا کو نہ صرف یہ کہ مکمل طور پر محفوظ رکھا بلکہ غیر مسلموں کے یتیموں، غریبوں بیواؤں بوڑھوں اور اپاہج لوگوں کی معذور اور تنگدست ہونے کی صورت میں حکومت کے خزانہ سے کفالت کی ہے صرف یہی نہیں بلکہ اسلامی حکومت کے دائرہ میں دوسری مذہبی اقلیتیں اگر ملکی دفاع اور دوسری جنگی ذمہ داریوں سے الگ تھلگ رہکر صرف اپنی ملازمت

تجارت یا کاروبار میں مصروف رہنا چاہیں تو اسلامی قانون تفصیل ہی قلیل معاوضہ کے بدلے میں ان کو فوجی ذمہ داریوں سے کبھی با نز سبکدوش کر دیتا ہے۔

جزیہ اس معاوضہ کی مقدار فقہی کتابوں میں بڑے دولتمندوں سے ۴۸ درہم (تقریباً ۱۲ روپے) درمیانی مالداروں سے ۲۴ درہم (۶ روپے) اور کم دولتمندوں سے ۱۲ درہم (تقریباً ۳ روپے) سالانہ مقرر تھی، ناکارہ اور ناداروں، عبادت گاہوں کے مجاوروں اور پجاریوں، عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور بیماروں سے یہ رقم نہیں لی جاتی تھی یہی معاوضہ "جزیہ" کہلاتا ہے جس کو غیر مسلموں پر اسلام کا ظلم مشہور کرنے کی کوشش کی گئی ہے حالانکہ یہ جزیہ اختیاری تھا کوئی چاہتا تو اس کے بجائے مسلمان شہریوں کی طرح فوجی خدمات میں حصہ لیکر جزیہ سے بچ سکتا تھا مگر یہ سودا آسان نہ تھا اس لیے کہ عام مسلمانوں کو میدان جنگ میں جان دینے کے ساتھ ہی جزیہ سے کہیں بڑھکر فوجی مصارف بھی حسب مراتب دینے پڑتے تھے اس لیے غیر مسلموں نے ہمیشہ جزیہ کو خوش آمدید کہا ہے اس پر اعتراض نہیں کیا۔

اسلامی حکومت کے دائرہ میں غیر مسلموں کو جو حقوق دیئے گئے ہیں ان کی تفصیل مقصود نہیں بتانا یہ ہے کہ انگریزوں نے ہندوستان میں یا نپولین نے مصر میں یا دنیا کی دوسری حکومتوں نے اپنے اپنے دائرہ میں "مسلم پرسنل لا" کے بارے میں مسلمانوں کو مذہبی آزادی دی ہے

اور اسی کی بنیاد پر مسلمانوں کے شخصی معاملات کا فیصلہ کیا گیا ہے
مگر یہ کہ مسلم پرسنل لا سے کیا مراد ہے اس کا سرچشمہ کیا ہے یہاں اس
کو سمجھ لینا بے حد ضروری ہے تاکہ معاملہ کی پوری نوعیت سامنے آسکے

مسلم پرسنل لا سے کیا مراد ہے

مسلم پرسنل لا جسے مسلم عائلی قوانین کا نام بھی دیا جاتا ہے اس
سے مراد، نکاح، طلاق، ازدواجی زندگی (Family life)
کے مسائل، وراثت، وصیت اور وقف کے بارے میں وہ قوانین ہیں
جنہیں محمڈن لا (Mohammadan law) کے نام سے حکومت
کی تمام عدالتیں نافذ کرتی ہیں۔ یہ حکومت کے مرتب کردہ یا کسی
عدالت کے تجویز کردہ نہیں، ایسا بھی نہیں کہ یہ قوانین انگریزوں
نے بنائے ہوں اس سے مراد درحقیقت شریعت اسلامیہ کے
وہ قوانین ہیں جو اسلام میں قابل تسلیم اور مسلمانوں کی مذہبی
زندگی کا ایک حصہ ہیں۔ ہندوستان میں انگریزوں نے مسلم پرسنل لا
کی قانونی تفصیلات جاننے کے لئے اہل سنت والجماعت کے لئے
ہدایہ اور شیعہ صاحبان کے لئے شرعیۃ الاسلام کو پرسنل لا کے
مستند قانونی مجموعہ کی حیثیت سے قبول کر لیا اور انگریزی میں ان کا
ترجمہ کروایا، اسی طرح بعد کے مختلف مصنفوں نے اس سلسلہ کے

عدالتی فیصلوں یا قانونی تشریحات کو مختصر یا شرح و تفصیل کے ساتھ اپنی کتابوں میں مرتب کیا ہے یہ تمام لوگ قانون ساز نہیں قانون گو ہیں انھوں نے قانون نہیں بنایا بلکہ اس کی شرح و ترتیب میں حصہ لیا ہے

یہ خدائی قانون ہے

یہ قانون مسلمانوں کا یا ان میں سے کسی طبقہ یا فرقہ کا بنایا ہوا نہیں ہے مسلمانوں کے عقیدہ کے مطابق یہ خدائی قانون ہے جس طرح انسانوں کی فلاح و بہبود کیلئے دنیا میں ہر چیز اور حیات انسانی کی ہر ضرورت کا سامان خدا نے فراہم کیا ہے اسی طرح انسانی زندگی اور اس کے ہر شعبہ کے بارے میں بنیادی قانون اور قانونی ہدایات بھی خدا نے ہی عطا کی ہیں۔

ابتدا آفرینش سے قانون چلا آتا ہے

خدا کے حضور اسلام (Obedience) ہی وہ واحد طریقہ اور دین (Way of life) [illegible] تھا جو مسلمانوں کے نزدیک انسانوں کو خدا کی طرف سے عطا ہوا اور جس کے بعد دنیا کی تمام قوموں ملکوں اور آبادیوں میں نبیوں، رشیوں اور (Prophets) کے ذریعہ یہی دین و قانون ضرورت اور زمانہ کے تقاضوں کے مطابق بھیجا جاتا رہا۔

قانون میں ارتقا اور تبدیلی

اور چونکہ زمانہ کی ترقی اور حالات کی تبدیلی نظام قدرت کا ایک

حقیقت ہے زندگی کا قافلہ ہر دم رواں دواں رہتا ہے اس لئے کبھی تو مختلف قوموں یا ان کے لیڈروں نے اپنے ذاتی مفادات کی وجہ سے قانون میں ترمیم کی اور کبھی کرشمۂ الٰہی نے آسمانی حوادث کے ذریعہ ایسی قوموں یا ان کی کرتوتوں، علمی اور مذہبی سرمایہ کو نیست و نابود کر دیا۔ اور یہ حقیقت تو بہرحال سامنے کی دو ٹوک صداقت تھی کہ عہدِ طفلی سے بلوغ اور بلوغ سے جوانی اور پختگی تک آتے آتے انسانیت اس قابل نہ رہی تھی کہ پچھلے جوڑے اور لباس اس کے موجودہ توانا اور مکمل جسم پر پورے اتر سکیں۔

قانون کا آخری لباس مسلمان اسی حقیقت کے پیش نظر یقین کرتے ہیں جیسا کہ ان کو خدا کے آخری نبی محمد عربی فداہ ابی و امی صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ پچھلے مذاہب و ادیان منسوخ ہو چکے اور جوان انسانیت کو جو لباس زیب تن کرایا جا رہا ہے اب یہی آخری ہوگا یہ دین کسی انسانی ذہن کی پیداوار نہیں بلکہ خدا کا بنایا ہوا ہے۔

تو ممکن ہے کہ کسی کو یہ حیثیت تسلیم نہ ہو لیکن چونکہ یہ دین مسلمان کا عقیدہ و ایمان ہے اس لئے اگر کوئی حکومت یا فرد مسلمانوں کو مذہبی آزادی دئے جانے کا دعویٰ کرتی ہے تو اس کے سامنے صرف دو ہی راستے رہ جاتے ہیں۔

- مسلمانوں کو آمادہ کیا جائے کہ وہ اپنے قانون کو خدائی قانون کا درجہ نہ دیں۔

• ۔ یا قانون الٰہی مانتے ہوئے کبھی اس پر عمل در آمد سے باز آجائے

مسلمان باقی رہنے کی صورت میں | ظاہر ہے کہ ان دونوں صورتوں میں مسلمان اپنا امتیاز کھو بیٹھے گا

لیکن اگر وہ مسلمان ہے اور اگر مسلمان کو مسلمان باقی رکھکر مذہبی آزادی دیئے جانے کا دعویٰ صحیح ہے اور اگر مذہبی آزادی دیکر دستور ہند مسلمانوں کی مذہبی انفرادیت کو باقی رکھنا چاہتا ہے تو حکومت کو حکومت کے کارپردازوں کو دوسری پارٹیوں اکثریتی نمائندوں اور اداروں کو یہ حقیقت اپنے دل و دماغ کے اندر اتارنی ہوگی کہ مسلمان اپنے قانون کے تقدس اور اسکی الٰہی حیثیت کو نظرانداز نہیں کر سکتا اسکے نزدیک اسلامی قانون خدائی قانون ہے اور ناقابل ترمیم ہے اسکو انسانی قانون قرار دیکر اس میں تبدیلی کی بات کرنا مسلمانوں کو فریب کے جال میں پھانسنا اور گمراہ کرنا ہے۔

اسلامی قانون ماضی کی تاریکیوں میں گم ہو چکا ہوتا تو بات دوسری تھی مگر یہاں حقیقت تو یہ ہے کہ اسکی تاریخ دو پہر کے سورج کی طرح روشن ہے اور کسی بھی قانون کی اسلامی حیثیت کو معلوم کرنے کی آسان راہ یہ ہے کہ قانون کے سرچشموں (sohcess) میں اسے تلاش کیا جائے۔

سرچشمۂ قانون اسلامی

قانون اسلامی کسی انسانی ذہن کی پیداوار نہیں، اس کا سرچشمہ اور ماخذ جن سے قانون اسلامی اور اسکی ساری تفصیلات ماخوذ ہیں چار چیزیں ہیں۔ قرآن، سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم، اجماع امت، اور اجتہاد۔

قرآن قانون اسلامی کا پہلا سرچشمہ صافی قرآن ہے۔ یعنی خدا کا کلام جو ... ہدایت کے لئے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم پر مکمل از ابتدا تا آخر نازل ہوا۔ انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں پر واضح احکام دینے کے ساتھ مسلمانوں کی معاشی زندگی یعنی مسلم پرسنل لا کے بارے میں بھی بنیادی اور اہم ہدایات دی ہیں۔

سنت رسول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی قرآن کی اعلیٰ تشریح تھی۔ وَاَنزَلنَا اِلَیکَ الذِّکرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیھِم (نحل) یعنی ہم نے آپ کے پاس قرآن اتارا تاکہ آپ لوگوں کے سامنے (اپنے قول سے، عمل سے خاموشی دیدہ دانستہ) اس قرآن کی تشریح کر دیں جو ان کی طرف نازل کیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے آپ کا ذریعہ ہوتا

قرآنی احکام کو عملی زندگی میں برت کر انسانوں کے لئے ایک جادۂ عمل متعین کر دیا۔ قرآن نے آپ کے بارے میں اعلان کیا کہ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ۝ اے لوگو! تمہارے لیے رسول اللہ کی ذات میں بہترین نمونۂ عمل موجود ہے۔

ان دونوں کی حفاظت قرآن نے جب یہ اعلان کیا کہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝

ہم نے ہی قرآن اتارا ہے اور ہم ہی (الفاظ و معنی دونوں کے اعتبار سے) اس کی حفاظت کریں گے تو یہ اس بات کی ضمانت تھی کہ قرآن کی مستند تشریح یعنی حیات رسولؐ کو بھی محفوظ کیا جائے گا۔ اس لئے کہ قرآن کی آیتیں حالات کی رفتار اور وقت کی رفتار کے ساتھ ساتھ نازل ہوتی رہیں۔ اس کا زمانۂ نزول ۲۳ برس کی طویل مدت میں پھیلا ہوا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول، عمل اور خاموش طرز عمل اور اسوۂ زندگی سے ہر آیت کے موقع و محل، معنی و مراد اور حکم و ہدایت کی تشریح فرمائی، زندگی کے وسیع دائرہ میں آیات الٰہی کو عمل کا لباس دے کر انسانیت کے سامنے قرآن کی عظمت، محبوبیت اور اس کے حسن کو نکھار دیا۔ کلمات الٰہی اور آیات ربانی کی شاہ کلید نے مشکلات کے قفل کو جس آسانی سے کھولا ہے اس کا اعجاز سنتِ رسولؐ کے آئینہ میں ہی نظر آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خدا نے قرآن کے ساتھ اس کی عملی تفسیر یعنی سنت رسولؐ کو بھی قیامت تک کے لئے محفوظ کر دیا ہے۔

اجماع امت

قانون اسلامی کا تیسرا اہم ماخذ اجماع امت ہے یعنی قرآن یا حدیث سے کسی معنی و مراد کے اخذ کرنے میں امت اگر متفق الرائے ہو تو قرآن و حدیث کا وہی مفہوم معتبر اور قابل تسلیم ہوگا۔ اجماع کی پہلی عملی شکل صحابۂ رسول کا اجماع ہے کیونکہ ان کے سامنے نزول قرآن کا عظیم واقعہ پیش آیا ان کی نگاہوں کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی تشریح فرمائی، اپنی عملی زندگی سے اسکے مختلف پہلوؤں کو واضح کیا وہ حالات جن میں یہ سب کچھ پیش آیا وہ واقعات جن پر قرآن کی آیتوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منطبق فرمایا اور پھر ہر موقع پر جن نزاکتوں کا لحاظ فرماتے ہوئے جس لہجہ اور انداز میں جیسا اور جو کچھ حکم آپ نے عنایت فرمایا ان کے چشم دیدگواہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم تھے۔ کلام کو سمجھنے کے لیے صاحب کلام کے لب و لہجہ اور اسکے چشم و ابرو کے اشاروں اور بات کرنے کے انداز اور ڈھنگ پر نظر رکھنی ضروری ہوتی ہے اور یہ بات صحابۂ رسول (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو بدرجۂ اتم حاصل تھی

صحابہ کی اہمیت

اسی لئے کسی آیت قرآنی یا حدیث رسول کی تشریح اور قانون کے کسی نکتہ پر ان کا اتفاق ماہرین قانون اسلامی کے نزدیک قانون کا اہم ماخذ ہے اس لیے کہ وہ قانون اسلامی کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اول روایت کرنے والے اور امت اولین معاشرہ کے بنیادی

کردار ہیں جن کے بارے میں قرآن وحدیث نے خود ان کی موجودگی میں یہ شہادت دی تھی کہ :-

(۱) وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ

جو ان مومنوں کے سوا دوسروں کی راہ اپنائے گا ہم اسے اسکے ہی سرپرستوں کے حوالے کر دیں گے اور جہنم میں داخل کر دیں گے (قرآن)

(۲) مَا رَآهُ الْمُؤْمِنُونَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ حَسَنٌ

یہ مومن جس چیز کو اچھا سمجھیں تو وہ خدا کے یہاں بھی اچھی ہے

(حدیث موطا امام مالک)

۳ - لَنْ تَجْتَمِعَ أُمَّتِي عَلَى الضَّلَالَةِ :-

میرے پیرو گمراہی پر متفق اسرائے نہیں ہو سکتے (حدیث)

قرآن کی بے شمار آیتوں اور احادیث رسول میں ان صحابہ کی اہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے ان سے محبت کو حب رسول کی علامت اور ان سے کبیدہ خاطری کو بغض رسول کی نشانی بتلایا گیا ہے سوچیئے تو جب صحابہ کرام کے اتفاق راے کو گمراہی کے بجائے ہدایت اور پسندیدہ بارگاہ الٰہی قرار دیکر یہ چاہا جا رہا ہے کہ مسلمان ان سے محبت کریں ان کے فیصلوں کو ہدایت جانیں تو کیا اس کا نتیجہ یہ نہیں ہوتا کہ عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی امت صحابہ رسول کے حالات زندگی کو بھی سینے سے لگا کر رکھے۔

صحابہ کی تاریخ حیثیت یہی وجہ ہے کہ جس طرح کلام الٰہی ناقابل تغیر ہے، سنت رسول اللہ کی بقا وحفاظت

ایک حقیقت ہے اسی طرح سوانح اصحاب نبیؐ بھی تاریخ کے بہترین صفحات میں محفوظ ہے۔ دنیا کی مختلف قوموں نے اپنے حالات کو جن بے سند طریقوں سے محفوظ رکھا ہے اس پر تاریخ اسلامی اور خصوصاً صحابۂ کرام کے حالات کو قیاس کرنا صحیح نہیں۔ صحابہ کے حالات چشم دید بیانات اور ہزاروں راویوں کے مشاہدات کے بعد کتب تاریخ میں درج کئے گئے ہیں اگر کہیں نقل در نقل کا سلسلہ چلا ہے تو درمیانی ناقلین اور بیان واقعہ کرنے والوں کے بھی مکمل سوانح کسی رورعایت کے بغیر درج صفحات ہو گئے ہیں۔ صحابۂ رسول کی زندگی کے واقعات جس احتیاط چھان بین، تحقیق و جستجو اور جرح و تعدیل کے بعد مرتب کئے گئے ہیں اس کی سطح اتنی بلند ہے کہ مسلمانوں کے سوا دنیا کے کسی اور مذہب کی مقدس سے مقدس کتاب اور ان کے بانیانِ مذاہب کی انتہائی مستند سوانح بھی اس مرتبۂ تحقیق کو نہیں پا سکیں۔

ان تینوں ذخیروں کی حیثیت | قانون اسلامی کی وہ تفصیلات جو قرآن شریف، سنتِ رسول یعنی حدیث شریف اور اجماع صحابہ سے ماخوذ ہیں وہ ناقابلِ تغیر ہونے کے ساتھ ہی اسلام اور مسلمانوں کا بنیادی ایمانی اور مذہبی سرمایہ ہیں اور ہمارے مسلمان ہونے کا مطلب ہی یہ ہے کہ ہم ان تینوں کو اور ان سے حاصل کردہ تفصیلات اور معلومات کو اپنے مذہب کا بنیادی کردار یقین کرتے ہیں اس لئے جب ہم مسلمان ہیں

یا جب حکومت مسلمانوں کو مذہبی آزادی دیئے جانے کی دعویدار ہے ان میں تبدیلی کا امکان نہیں مسلمان علماء یا کسی بھی مقتدر سے مقتدر اور بڑی سے بڑی انسانی حکومت یا شخصیت کو ان میں تبدیلی کا حق نہیں، ہر شخص کو حق ہے کہ وہ جس مذہب کو چاہے پسند کرے لیکن اپنے آپ کو ایک مرتبہ مسلمان قرار دینے کے بعد ہم مسلمانوں کو اس بات کا اختیار نہیں کہ اسلام کی شکل و صورت ہی مسخ کر دیں۔ دنیا کے دوسرے مذاہب میں اس کی مثالیں ملتی ہیں کہ ان کے مختلف مذہبی رہنماؤں نے ان مذاہب کا حلیہ ہی بگاڑ دیا لیکن یہاں اسلام میں ایسی کوششوں کی کوئی وقعت نہیں جو لوگ مسلمانوں میں رہتے ہوئے بھی اسلامی قانون کی شکل و صورت بدلنا چاہتے ہیں ان کی یہ حرکت اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ بزدل اور خود غرض ہیں کہ اپنے مفادات کی وجہ سے اسلامی معاشرہ سے چمٹے بھی رہنا چاہتے اور کینہ صفت، غیروں کے زرخرید غلام اور مسلمانوں کے انتہائی مکار دشمن بھی ہیں کہ مسلمانوں میں رہ کر قانون اسلامی سے مسلمانوں کی وفاداری کو کمزور کرنا چاہتے ہیں۔

قانون اسلامی کی بنیادی تفصیلات پر تمام مسلمان متفق ہیں۔

سنجیدہ لوگوں اور منصف مزاج افراد کو یہ حقیقت نہیں بھولنی چاہیے کہ جن معاملات یا مسائل کے بارے قرآن و احادیث اور اجماع صحابہ میں واضح ہدایات اور رہنمائیاں ملتی ہیں ان میں دنیا کے تمام مسلمان

متفق ہیں حنفی ہوں یا مالکی، شافعی ہوں کہ حنبلی یا اہل حدیث،
بہر حال سب کے سب قانون اسلامی کے رہنما اصول، بنیادی مسائل
میں متفق الرائے ہیں اور چونکہ دین کی ایسی تمام بنیادی تفصیلات،
مسلمانوں کے اجتماعی ڈھانچہ کے اساسی امتیازات اور وہ اجزاء
جنھیں دین کا ستون کہا جا سکتا ہے۔ ایسے ہی مسلم پرسنل لا کی وہ اہم
دفعات جو اس کے اسلامی کردار اور مسلم عائلی زندگی کے تحفظ کی ضمانت
ہیں ان کا سرچشمہ قانون کے مذکورہ بالا تینوں ماخذ ہیں اس لئے
شمال سے لیکر جنوب اور مشرق سے لیکر مغرب تک تمام مسلمانوں
کا ان پر اتفاق ہے ایسے مسائل کے بارے میں غلط بیانی کی جاتی
ہے اور فریب دیا جاتا ہے اگر یہ کہا جاتا ہے کہ ان میں مسلمان باہم
متفق نہیں۔

اجتہاد

اوپر کے تینوں ماخذوں سے ہٹ کر قانون اسلامی کی
کچھ ایسی دفعات بھی ہیں جنھیں اجتہاد کے ذریعہ متعین
کیا گیا ہے۔ چونکہ اجتہاد بھی قانون اسلامی کا اہم اور چوتھا ماخذ
ہے اور چونکہ اجتہاد کا نام لیکر مسلمانوں کے اندر دراندازی کی کوشش
کی جاتی رہی ہے اور کوشش کی گئی ہے کہ اسکے ذریعہ ثابت ہونے
والے مسائل کی اہمیت گھٹائی جائے، اور پھر پورے قانون اسلامی
پر سے مسلمانوں کا اعتماد ختم کر دیا جائے، لہذا یہاں اجتہاد کے بارے
میں کچھ تفصیل پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ اوپر ہم بتلا چکے ہیں کہ
اصل مسائل اور قانون اسلامی کی اہم دفعات مندرجہ بالا تینوں

سرچشموں سے ماخوذ ہیں۔

پہلی قسم ان کے بعد کچھ ایسے مسائل، حوادث یا واقعات بھی ہیں جن کے بارے میں قرآن و حدیث اور اجماع صحابہ کی تصریحات سے کئی مفہوم اخذ کیے جا سکتے ہیں یعنی بات کہنے کا انداز کچھ ایسا ہے کہ ایک رخ سے دیکھو تو مسئلہ کی نوعیت کچھ اور ہو گی اور دوسرے رخ سے دیکھو تو اس کی نوعیت بالکل ہی بدلی ہوئی معلوم ہو گی یہی وہ جزئی نوعیت کے مسائل ہیں جہاں ائمہ اسلام نے مختلف رایوں کا اظہار کیا ہے

اور ان میں رایوں کا یہ اختلاف مسئلہ کی نوعیت میں اختلاف بنکر سامنے آیا ہے۔

دوسری قسم مذکورہ پہلو سے قطع نظر، کچھ ایسے مواقع، مسائل اور واقعات بھی ہیں جہاں قرآن و حدیث اور اجماع صحابہ میں کوئی ہدایت نہیں ملتی، اتنی صراحت بھی نہیں، جہاں کئی تعبیروں یا کئی پہلوؤں کی گنجائش ہو بلکہ ان بنیادی ماخذوں میں مطلوبہ مسئلہ پر حکم شرعی واضح نہیں کیا گیا اور موقع دیا گیا کہ بعد کے ماہرین قانون اسلامی اجتہاد کے ذریعہ اس کا فیصلہ کریں، یا خاموشی کی وجہ یہ تھی کہ اس دور میں یہ مسائل یا واقعات وجود میں ہی نہیں آئے تھے اس لیے حکم شرعی سمجھنے کا سوال بعد کے ماہرین قانون کے سامنے پیدا ہوا۔

پہلی نوعیت کے مسائل میں اجتہاد یعنی اپنے علم و فکر و فہم کے

ذریعہ کسی ایک تعبیر پر مطمئن ہونا اور اس کو ہی حکم شرعی کی اساس بنانا دراصل کچھ زیادہ الجھن کی چیز نہیں۔ رہ گئے دوسری نوعیت کے مسائل تو قانون اسلامی کے ماہرین سے ان کا فیصلہ کرنے کے لئے بھی قرآن و حدیث سے رہنمائی لی ہے۔ انھوں نے دیکھا کہ قرآن و حدیث نے قوموں اور ملکوں کی صحیح روایات رسم و رواج کو باقی رکھا ہے انھوں نے پایا کہ قرآن نے غلط مذاہب کے ماننے والوں اور جاہلیت کے متوالوں تک کے بارے میں یہ تسلیم کیا ہے کہ ان کے ہاتھ میں کچھ نہ کچھ حق کی بھی آمیزش تھی۔ باطل عقیدوں نے ان میں غلط روایات کو رائج کیا تو سلیم عقلوں اور صائب فطرتوں نے صحیح اور مفید رواجوں کو بھی عام کرنے کی کوشش کی ہے اور اس کے نتیجہ میں معاشرہ کو فائدہ پہنچانے والے نئے نئے پہلو اور گوشے وجود میں آئے۔ اس حقیقت کے پیش نظر ماہرین قانون اسلامی نے قرآن و حدیث و اجماع سے نہ ٹکرانے والی ایسی اچھی روایات، عرفوں اور رواجوں کو قبول کر لیا ہے۔ معاشرہ کو فائدہ پہنچانے والے نئے پہلو اور پہلو جو اسلام کے بنیادی کردار سے ٹکراتے ہوں، وہ اسلام کے نزدیک مکروہ سے لیکر مکروہ تحریمی اور حرام تک قرار پا سکتے ہیں۔

پہلی نوعیت کے مسائل پر غور کرنے اور قرآن و حدیث و اجماع کی مبہم وضاحت سے نہایت ہی دقیقہ رسی کے ساتھ کسی ایک تعبیر کو متعین کرنا ہو یا دوسری نوعیت کے مسائل پر غور کر کے ان کے بارے میں حکم شرعی معلوم کرنا، بہرحال یہی وہ عمل ہے جس پر "اجتہاد" کا لفظ بولا جاتا ہے

اجتہاد کی اہلیت جو شخص قانون اسلامی کا ماہر ہو، قرآن و حدیث اور اجماع پر نظر رکھتا ہو، نئے مسائل اور ان سے متعلق تفصیلات سے باخبر ہو، مخلص نیک نیت اور دیندار ہو خدا کا خوف اور آخرت کا یقین ہو۔ قرآن کو کلام الٰہی، احادیث کو اس کی تفسیر و تشریح اور اجماع کو قانون اسلامی کا ماخذ تسلیم کرے، جو شخص ان تمام صلاحیتوں اور صفات سے سرفراز ہو اور پھر اجتہاد کی دونوں قسموں کے مسائل یا واقعات پر غور کرنے کے بعد کسی نتیجہ تک پہنچے اور مستحب، واجب، فرض یا مکروہ، مکروہ تحریمی، اور حرام کا حکم نکالے تو اس کے اس عمل کو اجتہاد تسلیم کیا جائے گا۔ وہ اپنے اجتہاد پر خود تو بھی زندگی میں عمل کر سکتا ہے لیکن دوسرے کو اس پر عمل کرنے کے لیے مجبور نہیں کر سکتا۔

اجتہاد اگر جج کرے لیکن اگر مسلمانوں کا قائم کردہ کوئی ادارہ یا ان کی مرضی سے اسلامی طرز پر قائم ہونے والی کوئی حکومت ایسے شخص کو جج مقرر کر دے تو اس کے اجتہاد کی حیثیت انفرادی نہ ہوگی، چونکہ اسے حکومت کا اور حکومت کو مسلمانوں کا اعتماد حاصل رہا ہے اور اس کی قانونی حیثیت و قابلیت تسلیم کر لی گئی ہے اس لیے ذاتی اجتہاد کے مطابق کئے گئے اس کے فیصلوں کو قابل تسلیم اور واجب نفاذ سمجھا جائے گا ہاں اگر کسی دوسرے قاضی یا جج کو زیادہ ہی اہل علم اور جماعت مسلمین کا اعتماد حاصل ہو یا اس کی قانونی حیثیت اور پوزیشن پہلے قاضی سے اہم تر اور زیادہ ہو تو اس کو نہ صرف یہ کہ اپنے اجتہاد پر

عمل کا حق ہوگا بلکہ وہ پہلی قسم کے کسی جج کے سابقہ عدالتی فیصلہ کے خلاف کوئی دوسرا فیصلہ بھی کرسکتا ہے اور اس کی قائم کردہ اجتہادی نظیروں کے بالمقابل اب تک کی عدالتی نظیریں منسوخ اور کالعدم سمجھی جائیں گی

اجتہادات پر لکھی گئیں کتابیں

مسلم سرکاری عدالتوں نے قانون اسلامی کے مطابق جو فیصلے کئے اور معاصر حکومتوں اور اہل علم مسلمانوں نے ان سے اتفاق کیا ان کے مختلف مجموعے شائع ہوچکے ہیں فتاوی تاتارخانیہ، فتاوی قاضی خاں فتاوی عالمگیری وغیرہ میں جو کتنے قانونی ماخذ یعنی اجتہاد کے ذیل میں آنے مسائل نہایت ہی کثرت سے یکجا کر دیئے گئے ہیں چند افراد کی طرف سے مرتب ہونے کے باوجود ان اجتہادات سے اہل علم نے اتفاق کیا ہے اور صدیوں سے انھیں کو سند اور مرجع کی حیثیت حاصل ہے اس لئے یہ اجتہادات اب انفرادی نوعیت کے بجائے اجماع امت کے ذیل میں آجاتے ہیں کیونکہ ان پر امت کے ایک بڑے گروہ کا اجماع اور اتفاق ہوچکا ہے۔ اگرچہ پھر بھی ان کی وہ نوعیت نہیں جو پچھلے تینوں ماخذوں کی ہے اس لئے اگر ضرورت ہو اور حالات کا تقاضا ہو تو شرعی مصلحتوں کو پیش نظر رکھکر ماہرین قانون ان مسائل میں فیصلہ کی نوعیت بدل سکتے ہیں لیکن اس کے لئے قانون اسلامی میں مہارت کے ساتھ اس اہلیت اجتہاد کی بھی شرط ہوگی جس کا اوپر تذکرہ کیا جاچکا ہے۔ جو لوگ شکسپیر کے ڈراموں یا انگریزی جرمن میں کتابیں پڑھکر یہ سمجھتے ہیں کہ اسلامی قانون کے بارے

ہیں بھی انھیں بولنے کا حق حاصل ہو گیا ہے وہ اپنی حیثیت کو بھول جاتے ہیں انہیں سمجھنا چاہیے کہ ہر کام سے رام رہے،

مسلم پرسنل لا کے ذیل میں جو قوانین آتے ہیں پہلے بتایا جا چکا ہے کہ ان کا تعلق نکاح وطلاق، وصیت و وراثت اور وقف سے ہے اور وہ بیشتر قرآن وحدیث اور اجماع سے تعلق رکھتے ہیں جن مسائل میں ترمیم کی بات کی جارہی ہے وہ انھیں تینوں بنیادوں سے ماخوذ ہیں اور اس لیے ناقابل ترمیم ہیں اس موقع پر مسلم پرسنل لا کے سلسلہ کے قوانین اگر تفصیل سے ذکر کیے جائیں تو ان کے لیے ایک ضخیم کتاب بھی ناکافی ہو گی اس لیے یہاں صرف ان چند اصولی مسائل کا ہی ذکر کیا جاتا ہے جن کی جانب شور بپا کرنے والوں نے خاص طور توجہ کی ہے پہلے ان مسائل کا مختصر جائزہ لیجیے جن پر سلے دے ہو رہی ہے پھر اس کے بعد ہم ان لوگوں کے مقاصد پر سے بھی پردہ اٹھائیں گے جو ترمیم کا نعرہ بلند کر رہے ہیں۔

مسلم پرسنل لا کے خاص مسائل

ازدواجی زندگی، وصیت، وراثت اور وقف کے تفصیلی مسائل کیلئے قانون اسلامی کے وسیع لٹریچر کی طرف رجوع کیجیے ہم یہاں صرف اہم مسائل کی طرف ہی توجہ دے سکتے ہیں قانون اسلامی کا

جائزہ لیجئے تو آپ کو یہ معلوم ہوگا کہ قانونی دفعات کی تفصیل
کے ساتھ ہی اسکا اپنا فلسفۂ قانون بھی ہے یعنی وہ اصول جن کو
قانون سازی میں پیش نظر رکھا گیا ہے اسے حکمت قانون سے
بھی تعبیر کر سکتے ہیں اسی طرح ہر شعبۂ قانون میں قانون سازی
کے کچھ ذیلی اصول کارفرما ہیں۔

ازدواجی زندگی کا فلسفۂ قانون

اس سلسلے کا پہلا اصول یہ ہے کہ تجرد یا ترک نکاح کو
اسلامی مزاج کے خلاف قرار دیکر شادی شدہ زندگی گزارنے کی
تلقین کی گئی ہے قرآن کے علاوہ احادیث میں بھی صراحت کی گئی ہے کہ
مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ ۔ تم میں جو قدرت رکھے
اسے نکاح کر لینا چاہئے ۔ اَلنِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِي ؛ نکاح میری روایت
اور طریقہ ہے۔

ایک اور حدیث میں یہاں تک صراحت کر دی گئی کہ :۔ اَلنِّكَاحُ مِنْ
سُنَّتِي فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي :۔ نکاح میرے مخصوص طریقوں
میں سے ہے جو (فرد یا قبیلہ، فرقہ یا ملک، خواہش نفس کی تکمیل یا افزائش
نسل کیلئے دوسرا طریقہ اپنائے یا اس فطری خواہش کو دبانے اور
مٹانے کے ذرائع اختیار کرے اور) میرے طریقے سے روگردانی کرے
وہ میرے ماننے والوں میں سے نہیں ۔ البتہ جو لوگ غربت کی وجہ سے
مصارف نکاح کا بار اٹھانے کے لائق نہ ہوں ان کو حکم دیا گیا۔
وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا حَتَّى يُغْنِيَهُمُ اللَّهُ مِنْ

:تفصیلہ یعنی جو لوگ نکاح (کے مصارف اور مواقع) نہ پائیں اس وقت تک باز رہیں جب تک کہ خدا انھیں غنی نہ کر دے۔

ازدواجی زندگی کا دوسرا اصول یہ ہے کہ حقوق اور مرتبہ و شرف کے لحاظ سے اور خدا اور بندوں میں فضیلت کے اعتبار سے مرد و عورت میں جنس کی بنا پر کسی کو کسی پر امتیاز یا برتری حاصل نہیں۔ قرآن میں ہے۔ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ (بقرہ آیت ۲۲۸) :۔ دستور کے مطابق مردوں پر عورتوں کا ویسا ہی حق ہے جیسا کہ مردوں کا عورتوں پر۔ حدیث شریف میں ہے۔ إِنَّ لَكُمْ عَلَى نِسَائِكُمْ حَقًّا (وَلِنِسَائِكُمْ عَلَيْكُمْ حَقًّا) (طبری، ابن ہشام) :۔ عورتوں پر تمہارے حقوق ہیں اور تم پر عورتوں کے حقوق۔

تیسرا اصول یہ ہے کہ مرد اور عورت کے ذریعہ جو اجتماعیت وجود میں آتی ہے اس میں بنیادی "ہیڈ آف دی فیملی" کی حیثیت مرد کو حاصل ہوگی دنیا میں تمام انسانی گروہوں نے ہر اجتماعی ادارہ میں نظم برقرار رکھنے کے لیے اگر کسی کو "ہیڈ" مقرر کرنا اسے کچھ زیادہ اختیارات دینا ضروری اور قانون فطرت کا تقاضا سمجھا ہے تو یقینی طور پر خاندانی ادارہ کو بھی مضبوط اور مستحکم کرنے کے لیے اس میں "ہیڈ" کا تقرر ضروری ہوگا۔ اگر عورت کی فطرت اور نکاح کے بعد کی وہ تکلیف دہ حالات جن سے عورت گزرتی ہے اور اس دور میں اس کی معذوریوں کو اگر پیش نظر رکھا جائے تو عقل سلیم پکار اٹھے گی کہ اس نظم کو برقرار رکھنے یا درہم برہم کرنے کے اختیارات عورت کے سپرد کرنا خطرہ کا سودا ہے اور چونکہ بچہ کی پیدائش اور پرورش کا سب سے پہلے عورت ہی کا [illegible]

اور مصروفیات پر اثر پڑتا ہے اور وہ ایک عرصہ کیلئے تلاش معاش سے معذور ہو جاتی ہے اس لئے اور اس کے علاوہ اور بہت سے اسباب کی وجہ سے قرآن نے فیصلہ کیا ہے کہ۔ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ (بقرہ ۲۲۸) اور مردوں کو شوہر کی حیثیت سے عورتوں پر ایک درجہ زیادہ حاصل ہے اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَا اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ (نساء ۳۴) عورتوں کے مقابلہ میں مرد خاندان کے ناظم اور (Head) ہیں اس لئے کہ خدا نے ایک کو دوسرے پر زیادتی بخشی ہے اور اس لئے بھی کہ مردوں نے اپنا مال صرف کیا ہے۔ مرد کا یہ اختیار اس کے لئے اعزاز کے بجائے ذمہ داریوں کا سبب ہے اس پر گھر کے مصارف، بیوی بچوں کا نفقہ رہائش اور لباس وغیرہ کی تمامتر ذمہ داریاں ڈالی گئی ہیں اور خدا، حکومت، عدالت اور معاشرہ کی نظر میں ان معاملات کی جوابدہی شوہر کی موجودگی میں شوہر ہی کو کرنی ہوگی نہ کہ بیوی یا بچوں یا دادا، چچا، ماموں، یا کسی اور کو۔

چوتھا اصول یہ ہے کہ شخصی زندگی کو زیادہ سے زیادہ پرسکون بنانے کے ساتھ ہی فرد کے لئے ایسے حالات پیدا کئے جائیں کہ ایک طرف تو وہ باعزت شہری کی حیثیت سے زندگی گزار سکے اور کسی ایسے جرم کا مرتکب نہ ہو کہ حکومت کے فوجداری قانون کو حرکت میں آنا پڑے اور دوسری طرف معاشرہ کی اپنی ضرورتیں اور مصلحتیں بھی بحسن وخوبی پوری ہوتی رہیں۔ اس اصول کی وضاحت کے لئے ہم یہاں

تعددِ ازدواج کے مسئلہ پر روشنی ڈالنا ضروری سمجھتے ہیں۔

تعدد ازدواج رجسٹرڈ یا نان رجسٹرڈ چونکہ قانون اسلامی کا مقصد ہر بدکاری کو مٹانا بھی ہے اس لئے اس نے بے نکاحی زندگی کی مذمت کے ساتھ ان اڈوں کو بھی ختم کرنا چاہا ہے جہاں یہ تماشے ہوتے ہیں اور مشرق و مغرب کے ہر ملک میں اس کے انتظامات کئے گئے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں یہاں "نکاح" کو ۴ تک آسان تر بنانے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ معاشرہ کو ایسے خاندان فراہم ہوں جن میں باقاعدگی ہو اور گویا وہ رجسٹرڈ ہوں، حکومت کو ان سے اور ان کو حکومت اور معاشرہ سے تعاون مل سکے۔ جو ادارے جو قانونی ذمہ داریوں سے بچنے کے لئے حکومت اور معاشرہ کی نظروں سے ہٹ کر نفع اندوزی کرتے رہتے ہیں انھیں کی طرح غیر شادی شدہ افراد کو بھی سمجھئے جو غیر قانونی طریقوں سے اپنی ہوس پوری کر لیتے ہوں اور نتائج اور ذمہ داریوں سے بھی دامن بچا لیتے ہوں اور جیسے بعض ادارے کچھ کاموں کو تو حکومت اور معاشرہ کی نظر میں لانے کے لئے کرتے ہیں اور اس سلسلہ میں ٹیکس وغیرہ کی تھوڑی بہت ذمہ داریوں کو بھی قبول کر لیتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ ان کا کالا دھندا بھی سائڈ بزنس کے طور پر چلتا رہتا ہے یہاں نفع اندوزی ہے لیکن اس کے بدلہ میں ذمہ داریوں، ورٹیکسوں وغیرہ سے بچنے کا شدید جذبہ بھی موجود ہے اسی طرح یورپ و امریکہ میں اور مشرق کے دوسرے ملکوں میں "بدکاری" نے شادی شدہ زندگیوں

میں بھی سانڈ بزنس کی طرح لغلی بدکاریوں کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ یہ کلب، یہ تفریحی ادارے، یہ کلچرل پروگرام، یہ فلمی اور غیر فلمی فحش مرکز آخر کیا ہیں ایک طرف اسلام کو بدنام کرنے کے لئے تعدد ازدواج یعنی چند زوجگی پر طعنے دئے جاتے ہیں اور دوسری طرف چند زوجگی ہی کے ان نان رجسٹرڈ اداروں اور کالے کاروباروں کو پوری آزادی دیدی گئی ہے کہ معاشرہ میں بدکاریوں کا سیلاب امنڈتا چلا جائے، خاندان کے خاندان برباد ہوتے رہیں کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو اور ذمہ داریوں کا بوجھ کبھی کاندھوں پر نہ آسکے،

غیر شادی شدہ معاشرت کا اور گھر کی زندگی میں ایک بیوی کے بعد بازاروں، کلبوں، ہوٹلوں، تفریح گاہوں اور کلچرل پروگرام کے حیاسوز ٹھکانوں میں پوری بے قیدی اور آزادی سے بے شمار عورتوں کے ساتھ رنگ رلیاں منانے کا ہی نتیجہ ہے کہ یورپ اور امریکہ میں بلکہ اب تو مشرق کے بہت سے ملکوں میں بھی "بے باپ کے بچوں" کا بھیانک مسئلہ سامنے آچکا ہے۔ عقل کے اندھے بجاری ایک وقت میں کئی بیویوں سے نکاح کو تو عیب سمجھتے رہے لیکن معاشرہ کو اپنی جنسی بھوک کا ایسا شکار بنایا کہ ان کی غلط کاریوں کی سزا حکومت اور معاشرہ دونوں کو مل رہی ہے۔ بہرحال اس گفتگو کے بعد اب ہم قرآن و حدیث اور اجماع سے چند قانونی نکتے پیش کریں گے۔

قرآن مجید میں ہے۔ فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً (نساء ۳) ترجمہ:-

تو عورتوں میں سے دو دو، تین تین، چار چار سے جو بھلی معلوم ہوں نکاح کر سکتے ہو لیکن اگر ان کے درمیان اندیشہ ہو کہ انصاف نہ کر پاؤ گے تو پھر ایک سے نکاح کرو۔

حضرت بن عباسؓ حضرت عائشہؓ حضرت سعید بن جبیر وغیرہ نے ان آیتوں کی مفصل تشریح کے بعد کئی بیویوں سے ایک ساتھ اجازت نکاح کی کئی روایتیں نقل کی ہیں۔ اور تمام صحابہ، تابعین ائمہ مجتہدین کا یہی خیال رہا ہے۔ انبیاء کرامؑ کی تاریخ، خلفاء راشدین اور عام صحابہ کا طرز عمل، اور آج تک پوری امت اس خیال کو قول و عمل سے ظاہر کرتی رہی ہے۔ آیت میں بیویوں کی چار تک حد بندی کے بعد جن صحابہ کی زیادہ بیویاں تھیں انھیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے باقی کو چھوڑ دینے کا حکم دیا ایک مرتبہ فرمایا۔ إِخْتَرْ مِنْهُنَّ أَرْبَعًا۔ (ابوداؤد صفحہ ۳۰۴) صرف چار کو منتخب کر لو، باقی کو چھوڑ دو کہیں فرمایا إِخْتَرْ أَرْبَعًا أَيَّتُهُنَّ شِئْتَ (تفسیر ابن کثیر صفحہ ۴۵۱ ۔۔۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں لَا يَتَزَوَّجُ أَكْثَرَ مِنْ أَرْبَعٍ لِقَوْلِهِ تَعَالَى مَثْنَى وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ:۔ یعنی آیت مَثْنَى وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ کی وجہ سے چار سے زیادہ بیویاں نہ کرے۔

چند وضاحتیں اور اس تعدد کی حکمت

اس موقع پر چند باتوں کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے پہلی بات یہ کہ آیات اور احادیث سے ایک ساتھ چند بیویاں رکھنے کی اجازت معلوم ہوتی ہے نہ کہ حکم، دوسرے یہ کہ مسلمانوں نے بھی اس آیت کی بنا پر

چند بیویوں سے نکاح کرنے کا دروازہ کھلا رکھا ہے مگر ایسا نہیں ہوا کہ خواہش اور ہوس نے ان کو اس سلسلہ میں بے قیدی اور آزادی کے راستہ پر ڈالدیا ہو تیسری[۳] بات یہ کہ ہر بیوی سے نکاح کے بعد ذمہ داریوں کا بوجھ بھی مہر، مصارف خورد و نوش رہائش اور بچوں کی پرورش وغیرہ کی شکل میں مرد پر ہی ڈالا جائے گا نہ کہ حکومت یا معاشرہ پر چوتھی[۴] بات یہ کہ جہاں تک دلی محبت اور اندرونی میلان طبع کا تعلق ہے اس میں برابری کا دعوی کسی باپ ماں کو بھی اپنے بچوں کے بارے میں نہیں ہوتا کہ ایک کی دل میں جتنی جگہ ہے اتنی ہی دوسرے بچوں کی جگہ بھی ہو یہ غیر اختیاری امر ہے اسی طرح چند بیویوں میں دلی میلان کسی کی طرف کم ہو اور کسی کی جانب زیادہ یہ غیر اختیاری چیز ہے اور اس میں برابری کی شرط دنیا کے کسی ادارہ میں بھی نہیں لگائی جا سکتی البتہ ادائگی حقوق کے معاملہ میں مساوات اور برابری کی قید لگانا ضروری ہے چند بیویوں کی صورت میں مصارف اور دیگر حقوق کے بارے میں اگر انصاف برتا جا سکے تب ہی کئی شادیوں کی اجازت ہے اور اس باب میں اسلام نے حکومت کو دراندازی کی اجازت دیئے بغیر خود اسلامی ضمیر کو بیدار کیا ہے اور یہی وجہ ہے جیسا کہ اسلامی تاریخ گواہ ہے کہ امت نے کئی شادیوں کی اجازت سے خواہ مخواہ فائدہ اٹھانے کے بجائے احساس ذمہ داری کا ثبوت دیا ہے عام حالات میں اس وقت بھی ایک ہی بیوی رکھنے کا رواج ہے نہ کہ کئی کئی بیویوں کا جیسا کہ

دشمن تاثر پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ پانچویں سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس قانون کا مقصد معاشرہ کا استحکام اور فساد اور بگاڑ سے اس کا تحفظ ہے اس لیے کہ عورت اگر بانجھ ثابت ہو یا کچھ عرصہ کے بعد اپنی بیماری یا کسی وجہ سے حقوق زوجیت کے لحاظ سے نا اہل ہو جائے تو اس چھوٹے سے خاندان کو درہم برہم کرنے، بیوی کو طلاق دینے یا خواہش نفس ادھر ادھر پوری کرنے کے بجائے مرد کے لئے یہ زیادہ بہتر اور آسان ہوگا کہ وہ ایک اور بیوی سے نکاح کرلے، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی عورت سے کوئی شادی نہیں کرتا ایسی عورتیں بد اخلاقیوں کے راستہ پر بھی پڑ جایا کرتی ہیں اس بے راہروی کے مقابلہ میں بہتر یہ ہے کہ اس کیلئے معاشرہ میں جگہ پیدا کی جائے، اس کی آسان تدبیر یہ ہے کہ [illegible] کی حیثیت سے قبول کرلے۔ زمانہ جنگ میں مردوں کے قتل کی وجہ سے عورتوں کی کثرت کے مسئلہ کو [illegible] ازدواج کے ذریعہ جس حیرت انگیز طریقہ سے حل کیا جاتا رہا ہے اس سے [illegible] نتیجہ ہے کہ یورپ اور امریکہ میں دو عظیم جنگوں کے بعد "بے نکاحی عورتوں" نے اس مسئلہ کو [illegible] کے بجائے بازار میں حل کیا اور وہ مسائل پیدا ہوئے جن کے زخم آج بھی ہرے ہو ہو کر مغرب کو تڑپاتے رہتے ہیں۔

۶۔ فلسفۂ ازدواج کا چھٹا اصول یہ ہے کہ [illegible] جہاں بدکاریوں پر شدت سے دار کئے گئے ہیں وہیں اسکے مقابلہ میں "نکاح" کے لیے زیادہ سے زیادہ آسانیاں فراہم کی گئی ہیں مثال کے طور پر "نکاح" کے منعقد اور مکمل ہونے کے لئے وہ غیر ضروری

شرطیں اور شرائط لازمی نہیں کی گئیں جن کا دوسرے معاشروں میں رواج ہے۔ بلکہ اتنی بات کافی سمجھی گئی کہ نکاح کے وقت لڑکے اور لڑکی کے علاوہ دو گواہ اور موجود ہوں اس کے لیے حکومت کو اطلاع تو کی جا سکتی ہے حکومت یا عدالت سے اجازت لینا ضروری نہیں قرار دیا گیا، اسی اصول سے اس بات کی وضاحت بھی ہو جاتی ہے کہ نکاح کے لئے بالغ مرد اور بالغ عورت پوری طرح اپنے فیصلہ میں مختار اور آزاد ہیں، ماں باپ یا کسی بھی رشتہ دار یا عدالت اور حکومت کے دباؤ کے بجائے نکاح کے انعقاد کی واحد شرط مرد و عورت کی باہمی رضامندی اور اجازت ہے اگر بالغ لڑکی پہلی شادی کے بعد بیوہ ہو چکی ہو تو اسے اپنی اجازت واضح لفظوں میں ظاہر کرنی ہوگی اور بالغ لڑکی کی شادی کا پہلا موقعہ ہو تو شرم و حیا کے موقع و محل میں اس کی خاموشی کو اجازت کا بدل سمجھ لیا جائے گا۔ خاص اس نکتہ کے بارے میں چونکہ احادیث کے الفاظ اختلاف تعبیر کی گنجائش رکھتے ہیں اس لئے امام شافعیؒ نے صرف نابالغہ کے نکاح میں اس کی طرف سے خاموشی کو اجازت قرار دیا ہے اور بالغہ کے لئے خواہ اس کی پہلی شادی ہو یا وہ بیوہ ہو واضح لفظوں میں اجازت نکاح کے لئے ادا کرنا ضروری قرار دیا ہے۔ درمیان میں یہ اجتہادی مسئلہ آ گیا ورنہ اوپر جس اصول کا تذکرہ ہوا کہ وہ قرآن و حدیث اور اجماع سے ثابت ہے نہ کہ اجتہاد سے اور اس کو ازدواجی زندگی کے فلسفۂ قانون میں ایک

اہم اصول کا درجہ دیا گیا ہے۔

عمرِ نکاح اور پھر نابالغہ کے نکاح میں اس کی خاموشی کو اجازت سمجھنے کا مسئلہ زیرِ بحث آیا ہے تو "عمرِ نکاح" کی بحث کو بھی اسی جگہ طے کرتے چلیے۔ حدیث شریف میں ہے وَلَا الْبِكْرُ حَتّٰى تُسْتَأْذَنَ وَاِذْنُهَا الصُّمُوتُ :- اور باکرہ کا نکاح بھی اجازت کے بغیر نہیں ہوگا اس کی اجازت اسکی طرف سے خاموشی کو سمجھ لیا جائے گا امام شافعی کے نزدیک یہاں باکرہ سے مراد صرف نابالغہ ہے ابو حنیفہ وغیرہ کے نزدیک "باکرہ" کے مفہوم میں نابالغ لڑکی بھی داخل ہے بہرحال باکرہ سے صرف نابالغہ مراد لی جائے یا کسی اور کو شامل حکم سمجھتے ہوئے نابالغہ کو "بھی" اس حکم کے ماتحت لایا جائے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ نابالغہ کا نکاح جائز ہے حدیث اس مفہوم کو واضح طور پر بیان کر رہی ہے دوسری احادیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح صحیح احادیث اور روایتوں کے مطابق اس وقت ہوا جبکہ ان کی عمر چھ برس کی تھی اور رخصتی اس وقت ہوئی جب وہ نو سال کی مکمل ہو گئیں، اس کے علاوہ خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ کے صاحبزادے سلمہ کا نکاح (جو بھی نابالغ ہی تھے) حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بچی سے کر دیا تھا۔ علامہ ابوبکر جصاص رازی لکھتے ہیں: تزوجه رسول الله صلى الله عليه وسلم بنت حمزة وهما صغيران (احکام القرآن جلد ۲ صفحہ ۶۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ کی بیٹی سے سلمہ کا نکاح اس وقت کیا جب کہ وہ دونوں ابھی نابالغ بچے تھے۔

اس مسئلہ پر احادیث کے ساتھ ہی قرآن سے بھی روشنی پڑتی ہے خدائے تعالیٰ کا ارشاد ہے وَاللَّائِي يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيضِ مِن نِّسَائِكُمْ إِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ وَاللَّائِي لَمْ يَحِضْنَ۔ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ وہ عورتیں جن کے ایام ماہواری کا سلسلہ زیادتی عمر کی وجہ سے ختم ہوگیا ہو۔ ان کی عدت تین ماہ ہے ایسے ہی وہ عورتیں جنہیں حیض نہیں آتے کم عمر اور نابالغ ہیں وہ تین ماہ کی عدت گزاریں گی۔

خط کشیدہ جملہ پر ایک نظر اور ڈالئے ظاہر ہے کہ عدت گزارنے کا مسئلہ انہیں عورتوں کے لئے پیدا ہوگا جن کی نکاحی زندگی کسی وجہ سے (شوہر کی موت یا اس کی طرف سے طلاق دیئے جانے کی بنا پر) ختم ہو چکی ہو، وہ عورتیں جنہیں حیض ابھی نہیں آئے یعنی وہ نابالغہ ہیں نکاح ہو گیا تھا پھر طلاق ہوگئی تو وہ عدت کے طور پر تین ماہ گزارنے کے بعد ہی دوسرا نکاح پڑھوا سکتی ہیں۔ قرآن نے نابالغی کے باوجود پہلے نکاح کو نکاح سمجھتے ہوئے آگے کے احکام بتائے ہیں ورنہ اگر نابالغی کا نکاح ناجائز ہوتا تو سب سے پہلے قرآن اس پر تنقید کرتا پھر عدت کی بحث چھیڑتا۔ نابالغی کے نکاح پر قرآن کی یہ نص اور مذکورہ بالا احادیث کے ساتھ ہی اگر اس مسئلہ پر صحابہ کے اجماع کو بھی پیش نظر رکھ لیا جائے

تو اس بارے میں کوئی شک نہیں رہتا ہے کہ نکاح نابالغان کے مسئلہ میں کبھی نے بندش نہیں لگائی بلکہ نابالغی کے نکاح کو جائز قرار دیا ہے۔ اگر حکومت کی طرف سے بالغ مرد اور بالغ عورت کی کوئی خاص عمر مقرر کر دی جائے تو ضروری نہیں کہ ہر لڑکا یا لڑکی اس عمر تک پہنچکر ہی بالغ ہوں، وہ اس سے پہلے بھی بالغ ہو سکتے ہیں در اصل صحت، آب و ہوا، علاقائی خصوصیات، مزاج کی حرارت و برودت اور معیار زندگی کی بلندی یا پستی سے بلوغ کا بڑا تعلق ہے اور اسی وجہ سے حکومت کی طرف سے عمر نکاح کا تعین معاشرہ میں بے جا دخل اندازی اور معاشرہ کی مصلحتوں کے لیے نقصان دہ بھی ثابت ہو سکتا ہے بعض حالات میں سرپرست یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ نابالغی ہی میں ہی بچوں کا نکاح کر دیں۔ مثلاً ایک شخص بوڑھا ہو چکا ہے یا بیماری وغیرہ کی وجہ سے اسے زیادہ دنوں زندہ رہنے کی توقع نہیں اس کی ایک نابالغ بچی ہے اس کے علاوہ بچی کا کوئی اور وارث نہیں یا وارث ہے لیکن باپ کو وارث کی طرف سے بچی کے ساتھ بہتر سلوک کی توقع نہیں ان حالات میں وہ کسی معزز اور شریف آدمی کے زیر سایہ کسی سے اس بچی کا نکاح کر کے بچی کو مستقبل کی طرف سے مطمئن ہونا چاہتا ہے یا مثلاً کوئی بیوہ عورت ہے وہ خود ہی تنگدست ہے، اس کی اپنی عزت بھی ہر لمحہ خطرہ میں رہتی ہے پھر وہ اپنی نابالغ بچی کے مصارف کا بوجھ کیسے برداشت کرے اسکی تعلیم و تربیت کا کیسے نظم کرے اکیلی جان اور پھر اس کے ساتھ ایک تندرست لڑکی جس کی حفاظت اور تربیت کا بار بھی بیوہ کے سر ہے کیا

اس بیوہ کے لئے یہ مناسب نہ ہوگا کہ کوئی اچھا گھرانہ تلاش کرکے اس کے کسی فرد سے اپنی بچی کا نکاح پڑھوا دے رخصتی خواہ کسی بھی وقت ہو، یا مثلاً ایک دیہات ہے دیہاتوں میں عموماً بڑے زمینداروں اور ان کے جوان فرزندوں کے کارنامے کافی سیاہ اور روشن ہوتے ہیں ایسے میں دیہاتی کاشتکار اپنی کم عمر لڑکی کے بارے میں جوان شر پروں کی طرف سے اندیشہ محسوس کرتا ہے وہ اپنی لڑکی کا پلّو کم عمری کے باوجود کسی گھرانے کے مناسب لڑکے سے باندھ دے اور اپنے مسئلہ کو اس طرح حل کرلے جائے تو کیا آپ یہ فرمائیں گے کہ یہ فرضی تخیلات ہیں، کوٹھیوں اور محلوں کے پروردہ، تن آسانیوں اور عشرت کدوں میں پلنے والے اونچے دماغوں کو قانون سازی کا شوق ہوتا ہے لیکن انہیں یہ نہیں معلوم کہ قانون کی زندگی کے کن کن گوشوں اور پہلوؤں تک رسائی ہوا کرتی ہے اور کیسے کیسے لوگوں پر اس اس کی زد پڑتی ہے۔ کن کن حالات کا قانون سازی کرتے وقت لحاظ رکھا جاتا ہے۔ ہر شخص کسی نہ کسی ماحول کا بندہ اور کسی نہ کسی طبقہ کا پروردہ ہوتا ہے اسے دوسرے طبقوں کی کیا خبر؟ وہ نہ اپنی بلندیوں سے پستیوں کا نظارہ کرسکتا ہے اور نہ اپنی پستیوں سے بلندیوں کا اندازہ لگا سکتا ہے یہی وہ ضرورت تھی جس کی وجہ سے خلاّقِ دو عالم نے ماحول کی نیرنگیوں، مزاجوں کے تغیرات، طبیعتوں کے اختلافات طبقات کے تہہ بہ تہہ امتیازات اور خاندانی، قبائلی ملکی، نسلی اور نسبی تعصبات سے بالاتر ایک ایسا قانون دیا جس میں ہر ایک

لحاظ کیا گیا ہے اور کسی کے ساتھ بھی کوئی مخصوص رعایت نہیں کی
اس پر چیں بجبیں ہونے کے بجائے اس قانون کا احترام کرنے
اور اس کی حکمتوں کو سمجھنے میں ہی سر کھپا دینا چاہیے۔ چہ جائیکہ
کوئی اسے غلط کہے یا اس میں ترمیم کی بات کرے۔

نابالغ کا نکاح اگر دادا یا باپ کے ذریعہ نہ ہو

نابالغ بچی یا نابالغ بچے کا نکاح اگر باپ
یا دادا نے کیا ہے تب تو بالغ ہو جانے کے بعد کسی الٹھیں کوئی
اختیار نہ ہوگا لیکن اگر ان دونوں کے سوا سرپرست کوئی اور تھا
اور اس نے نوعمری میں نکاح کی تکمیل کی تو ایسی صورت میں حدیث اور فقہا
کی تصریحات کے مطابق دونوں یا دونوں میں سے جو بھی بالغ ہو جائے
اسے اختیار ہوگا کہ بالغ ہونے پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کردیں۔
دونوں یا ان میں سے کسی بھی ایک کی طرف سے ناپسندیدگی کا اظہار
ہی فسخ نکاح سمجھا جائے گا۔ اس قانون کی رو سے وہ نکاح جو باپ یا
دادا نے قبل بلوغ اپنی عظیم مصلحتوں کی وجہ سے پڑھوا دیا ہے۔
وہ تو اس لئے باقی رہے گا کہ باپ دادا کا تعلق اور جذبہ ہمدردی
ناقابل تردید ہے لیکن دوسرے سرپرستوں کی طرف سے یہی معاملہ
ہو تو اس میں ہمدردی کے سوا اور جذبات کا بھی شبہہ کیا جا سکتا
ہے۔ اسی شبہہ کی بنا پر بالغ ہونے پر لڑکا اور لڑکی دونوں کو حق
تنسیخ دیا گیا تاکہ کوئی خامی دیکھی ہو تو وہ اب تلافی کرلیں۔

فسخ نکاح | گھریلو زندگی اگر پرسکون نہ ہو تو شریعت نے زوجِ عورت کے درمیان خاندان / قبیلہ - برادری محلہ - اور جماعت مسلمین کو ان میں صلح کروانے کی ترغیب دی ہے اور طلاق کے ناپسندیدہ ہونے کے باوجود مرد کو اس کے استعمال کی اجازت دی ہے۔ اس کی طلاق کا نفاذ حکومت کی اجازت پر موقوف نہیں حکومت کو مداخلت بیجا کے ذریعہ مسلم عائلی زندگی کی اصلاح کرنے کا شوق ہو تو دوسری بات ہے۔ ورنہ عورت کے حقوق کا تحفظ کرنے اور شوہر کے ظلم کی صورت میں عورت کو اس کا حق دلوانے کے اور بھی راستے ہیں۔ لیکن کیسی عجیب بات ہے کہ چوری کے خاتمہ کے لئے شریفوں پر تو پولیس کا پہرہ بٹھا دیا جائے اور ان لوگوں کی شنوائی کبھی نہ ہو۔ جو چوروں کی نشاندہی کر کے انھیں حوالۂ عدالت کرنے لائے ہیں، عدالت تک جن مظلوموں کی آہیں پہنچ رہی ہیں ان کو سننے دادرسی کرنے اور ان کے فیصلہ میں عجلت اور آسانی فراہم کرنے کے بجائے حکومتوں کو یہ شوق چرایا کرتا ہے کہ وہ اپنے عدل و انصاف کا ڈھنڈورا پیٹیں اور اپنے عرصۂ حکومت کو سکون سے گذار دینے کے لئے عوام کو فریب میں مبتلا رکھیں انھیں احساس ہے کہ اس بارے میں کامیاب چال یہ ہے کہ جلد از جلد بنے ہوئے قوانین کو نافذ کرنے کے بجائے نئے نئے قوانین بنائیں۔ نئی کمیٹیاں اور انجمنیں سامنے لاکر وہ قوم کو مستقبل کی پرفریب توقعات کے خواب میں تو مبتلا کر سکتے ہیں لیکن یہ خواب اس وقت ٹوٹے گا جب ایک دنیا تاراج ہو چکی ہوگی۔ اور حکومت کے یہ احمق شہسوار تاریخ کے بدنام صفحات میں جگہ پا چکے ہوں گے۔

عورت کو مرد کی مظلومیت سے چھٹکارہ دلانے کی اسلامی قانون نے

دو صورتیں بتلائی ہیں۔ اگر مرد ظالم ہو۔ حقوق زوجیت ادا نہ کرے
یا جبر و ظلم کے ذریعہ عورت کی زندگی تباہ اور اس کا سکون غارت ہو جانے
کا اندیشہ ہو تو پہلی صورت یہ ہے کہ عورت شوہر کے ساتھ کسی سمجھوتہ تک
پہونچنے کی کوشش کرے۔ اگر شوہر راضی ہو تو عورت اسے کچھ مال دیکر
یا مہر معاف کرنے کی شرط پر مرد سے طلاق حاصل کرنے کی کوشش کرے
اس صورت میں طلاق دینے کے بعد ادائیگی مہر کا بوجھ شوہر کے ذمہ نہ ہوگا
یا بیوی سے کچھ کم یا زیادہ مال لیکر ادائیگی مہر میں دشواری محسوس نہیں
کرے گا۔ اور طلاق دینے پر رضا مند ہو جائے گا۔ صلح کی یہ صورت
خلع ہے۔ لیکن اگر طلاق حاصل کرنے کے لئے عورت کی یہ تدبیر شوہر کو
پسند نہ ہو اور خانگی طور پر یا قبیلہ خاندان۔ برادری اور محلہ کی
جماعتِ مصلحین مسئلہ کو اس بنیاد پر حل نہ کرسکے تو عورت کے لئے عدالت کا
دروازہ کھلا ہوا ہے۔ وہ عدالت میں فسخِ نکاح کا مطالبہ کرسکتی ہے۔
عدالت کو فسخِ نکاح کا اختیار ہے۔ مرد کی نا اہلی۔ ظلم یا نان نفقہ کی
طرف سے بے توجہی ثابت ہو جانے پر عدالت کو چاہیئے کہ وہ عدالت کو
اس کا حق دلائے یا شوہر سے اس کا تعلق منقطع کردے۔

وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ( )

برتھ کنٹرول | افلاس کی بنا پر اپنے بچوں کو قتل مت کرو۔

وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ( ) اندیشۂ افلاس کی بنا پر اپنے بچوں قتل کرو۔

کوئی شخص یہ سوچے کہ میں مفلس ہوں مزید بچے پیدا ہوئے تو ان کے مصارف کا کیا ہوگا یا یہ کہ خوش حال ہو اور دل ہی دل میں یہ خیال کرے کہ مزید بچوں کی پیدائش پر جب مصارف بڑھیں گے تو میں تنگدست ہو جاؤں گا ان دونوں صورتوں سے قرآن نے منع کیا ہے لیکن اگر عورت بیمار ہو یا ایسی کمزور کہ ڈاکٹروں کی رائے میں ولادت اس کی صحت کے لئے نقصان دہ یا بیماری میں اضافہ کا سبب ہوگی یا یہ رائے دیں کہ مدت رضاعت میں جبکہ کوئی دودھ پیتا بچہ موجود ہو حمل قرار پانے سے بچہ کو نقصان ہوگا تو ماہرین قانون اسلامی کے نزدیک مانع حمل ذرائع اختیار کئے جا سکتے ہیں اس کے سوا موجودہ افلاس یا اندیشۂ افلاس کی وجہ سے "برتھ کنٹرول" کی کسی بھی شکل کو اختیار کرنا در اصل خدا پر یقین کی کمزوری اور اس کی صفت رزاقیت سے بے اطمینانی کا نتیجہ ہے جس کی اسلام میں گنجائش نہیں۔ مذکورہ بالا برتھ کنٹرول کے جواز کی دو تین صورتیں انفرادی اجازت کی صورتیں ہیں۔ برتھ کنٹرول کو مستقل تحریک کی شکل میں قبول کر لینا اسلامی مزاج کے خلاف ہے۔ آبادی کے اضافہ کے ساتھ ہی اس کائنات کا خالق پیداوار کے نئے نئے ذرائع بھی فراہم کرتا

رہتا ہے۔ جدید سائنسی ذرائع نے پیدا وار میں زیادتی اور تیزی کے نئے وسائل اور روزی کے جو جدید امکانات منکشف کئے ہیں ان کی روشنی میں "برتھ کنٹرول" کی تحریک چلانا زندگی سے فرار اور بے عملی کی راہ اپنانا ہے اس کے پردہ میں ظالم اپنی نااہلیت کو چھپاتا اور دشمن اپنی سازش پوری سے کرنا چاہتا ہے۔

وراثت ازدواجی قانون کے ذیل میں دوسرے مسائل اختصار کی وجہ سے نظرانداز کرکے ہم یہاں وراثت کے بارے میں یہ یاد دلانا چاہتے ہیں کہ اسلام سے پہلے انسانی تاریخ میں دنیا کی مختلف قوموں نے وراثت کے عجیب قانون نافذ کر رکھے تھے لڑکیوں کو تو جائداد میں کوئی حصہ ملتا ہی نہ تھا عموماً خاندان میں بڑے لڑکے کا ساری جائداد پر قبضہ ہوتا اور باقی افراد جائداد سے محروم رہتے جاگیرداری کے اس دور میں اسلام نے قانون وراثت کے ذریعہ ایسی تبدیلیاں کیں کہ دولت گردش میں آکر ایک ہی فرد کے بجائے خاندان کے متعلقہ افراد تک پہنچے اور سب کے فائدہ کے لئے منتقل ہونے لگے۔ اسلامی قانون کی رو سے کسی فرد (Person) کی پرورش، عزت اور ترقی میں دوسرے افراد کا بھی حصہ ہوتا ہے کوئی شخص کتنی ہی عظیم صلاحتیں لیکر پیدا ہو لیکن اس کی صلاحیتوں میں خاندانی اثرات کا انکار نہیں کیا جا سکتا اسی طرح بچپن سے لیکر جوانی اور بڑھاپے تک اس پر قریب اور دور کے رشتہ داروں اور عزیزوں کا احسان ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ قانون اسلامی نے

سب کے درجہ بدرجہ حصے مقرر کئے ہیں قرآن کہتا ہے ۔ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰی بِبَعْضٍ (انفال) یعنی رشتہ دار ایک دوسرے کے وارث ہونگے۔ یہاں وراثت کے تفصیلی مسائل ذکر کرنے کا موقع نہیں ورنہ اس باب کے مطالعہ سے ہی اندازہ ہوجاتا ہے کہ قانون اسلامی میں ایک دوسرے کے حقوق کا کتنا لحاظ کیا گیا ہے۔

لڑکی کا حصہ قرآن مجید میں ہے وَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ( ) یعنی (باپ یا بھائی کی) جائداد میں لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہوگا ، اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ لڑکے کو لڑکی کے مقابلہ میں جائداد سے دو حصے ملیں گے اس قانون کو اسلام کے مقصد اور مزاج کے مطابق سمجھنے کے لئے درج ذیل باتیں پیش نظر رکھنی چاہئیں، مرد کو دو اور لڑکی کو ایک حصہ دیا تو جاتا ہے لیکن

(۱) مرد پر کئی ایسے مصارف ڈالدیئے گئے جن کی وجہ سے وراثت سے ملی ہوئی رقم، مہر، بیوی کے نفقہ اور مختلف مصارف کی شکل میں اسی عورت کی طرف واپس ہو جاتی ہے۔ پھر فرق کیا رہا؟

(۲) یہ قانون بظاہر مرد کے فائدہ کے لئے ہے لیکن درحقیقت عورت کا اس میں زیادہ فائدہ ہے عورت پر اس کے ایک حصہ کے بدلہ میں کوئی ذمہ داری نہیں ڈالی گئی کوئی کسی قسم کا مصرف واجب نہیں کیا گیا اس طرح اس کا سرمایہ محفوظ ہے اور وہ اس کی حفاظت اور خرچ کے معاملہ میں کسی کی پابند نہیں آزاد ہے مرد کے دو حصوں کے بدلے میں اس پر ذمہ داری ڈالدی گئی اور اس کے

سرمایہ کو خود بیوی بچوں پر خرچ کر ڈالا یا گیا۔ فائدہ میں کون رہا۔؟

(۳) مرد کو دو حصے دیے جائیں یا عورت کو ایک حصہ، دونوں کے
نتیجہ میں ہر فیملی اور گھرانہ میں جائداد کے تین حصے پہنچیں گے اس طرح
کوئی شادی شدہ گھرانہ تین حصوں سے محروم نہیں رہ سکتا پھر فرق کیا ہوا

(۴) ہاں اس قانون میں اور حکمتوں اور مصلحتوں کے ساتھ ایک
ایک عظیم حکمت یہ ضرور ہے کہ اس کے ذریعہ عورت کے اندر نکاح میں آ کر
زندگی گزارنے کا رجحان بڑھے گا۔ موجودہ یورپ میں عورتوں میں نکاح
کے بغیر زندگی گزارنے کا رجحان عام ہو چکا ہے۔ زمانہ قدیم میں بلکہ آج
بھی عورت کے لئے، بیوہ ہونے پر یا اور دوسری صورتوں میں نکاح
کرنا عیب اور شرمناک سمجھا جاتا ہے۔ اسلام نے اگرچہ ہر حال میں
عورت کو شادی شدہ زندگی گزارنے پر مجبور نہیں کیا وہ اگر تنہا رہتی
ہے تو ایک حصہ اس کے لئے کافی ہے اور ظاہر ہے کہ نکاح نہ کرنے پر
بچوں کا سوال نہیں کہ اس کے مصارف بڑھیں لیکن اس کے ساتھ ہی
اسلام نے ایک طرف تو مرد کو دو حصے دیکر اس کی پوزیشن مضبوط کی اور دوسری
طرف اس کے ذمہ بیوی بچوں کے تمام مصارف ڈالکر عورتوں کے
اندر شادی کرنے کا جذبہ پیدا کیا ہے۔ تاکہ وہ عورت جس کا
ابھی نکاح نہ ہوا ہو یا نکاح کے بعد بیوہ ہو گئی ہو یہ سمجھے کہ نکاح
کے بعد نہ صرف یہ کہ اس کا سرمایہ محفوظ ہو جائے گا بلکہ اس کے مصارف
کا بوجھ بھی مرد کے کاندھے پر ڈالدیا جائے گا۔

وصیت | بہرحال یہ اور اس کے علاوہ اور بہت سی مصلحتیں ہیں جن کی بنا

وجہ سے قرآن اور حدیث نے جائداد کی تقسیم میں یہ فرق رکھا اور اسی سے قانون اسلامی کی عظمت کا پتہ چلتا ہے ۔ وراثت سے اسلام کے پیش نظر جو مقصد ہے وہ کبھی دو وجہوں سے پورا نہیں ہوتا ۔ ایک بات تو یہ کہ مورث کسی عارضی جذبہ یا ناراضگی کی وجہ سے اپنے وارثوں کو محروم کرکے مرنے سے پہلے پہلے ساری جائداد کسی اور کے لیے لکھدے یا وصیت کردے قانون اسلامی ایسی صورت میں صرف ⅓ جائداد تک کی وصیت کو دوسروں کے حق میں نافذ کرتا ہے ⅔ کو بہرحال وارثوں میں تقسیم کردیتا ہے ۔ دوسری بات یہ ہے کہ مرنے والا اپنے وارثوں میں سے کسی کے نام کوئی وصیت کرے یا کسی کو (کسی عذر شرعی کے بغیر) جائداد پر حق وراثت سے محروم کردے، قانون اسلامی اس قسم کی وصیتوں کو ناقابل نفاذ قرار دیتا ہے اس لیے کہ وارثوں میں دینی مصلحتوں کے بجائے افراد کی ذہنی سیاستوں اور مصلحتوں کا دخل ہو جائے گا اور وارثوں میں مورث کی طرف سے جانبداری اور عدم مساوات کا یہ مظاہرہ طرح طرح کے فتنوں کا سبب بن سکتا ہے ۔ قرآن و حدیث نے اس مسئلہ کو واضح طور پر بیان کیا ہے اور انھیں پر قانون اسلامی کی بنیاد ہے ۔

پوتے کی وراثت دادا کی جائداد میں پوتے کی وراثت کے مسئلہ پر بھی دراصل قانون وصیت کی روشنی میں غور کرنا چاہیے ۔ اگر دادا کی زندگی میں اس کے بیٹوں بیٹیوں میں سے ایک بیٹے کا انتقال ہو جائے اور دادا کے اس مرحوم سے پوتے بھی ہوں تو ایسی شکل پر

دادا کے انتقال پر جائداد میں اس کے بیٹے بیٹیوں کا حصّہ تو ہوگا پوتے کا نہیں، اس لیے کہ اسلام کے قانون وراثت کی رو سے جائداد میں پہنچنے، قریب ترین افراد کو حصّہ دیا جاتا ہے دادا کی جائداد سے پوتا محروم ہوا تو اس وقت جب کہ قانون اسلامی نے یہ دیکھ لیا کہ سرپرست کی شکل میں اس کے چچا اور پھوپھیاں موجود ہیں جن تک دادا کی جائداد پہنچے گی۔ دوسری بات یہ کہ دادا اگر یہ محسوس کرے کہ اس کے بعد اس کے پوتے کی کفالت کے سرپرست اچھا سلوک نہیں کریں گے۔ تو پوتے کے حق میں وصیت کرنا اس پر ضروری ہے۔ قانون اسلامی نے وارثوں کو جائداد میں مقصد دیا ہے تو وصیت کو ان کے حق میں بالکل بے اثر کر دیا ہے۔ پوتے کو وراثت سے محروم اسی وقت کیا جبکہ اس کے سرپرست موجود ہیں اور اگر سرپرست موجود نہ ہو تو دادا کی جائداد میں اس کا حصّہ ہوگا۔ ورنہ دادا کے لئے شرعی ضروری ہوگا کہ وہ اپنے پوتے کے لئے وصیت کر جائے یہ ایک کم واقع ہونے والا اور ایسا مسئلہ ہے جہاں کہ قانون اسلامی نے پوتے کے مسئلہ کو اس کے قریبی رشتہ داروں اور خود دادا پر چھوڑ دیا ہے کہ وہ اس کے مسئلہ کو حل کرنے کے لئے خود کوئی پہلو تلاش کرلیں۔ دادا کی جائداد میں حصّہ ملنے نہ ملنے کے بارے میں قانون اسلامی نے پوتے کے لئے یہ وضاحتیں کی ہیں ورنہ وہ پوتا اپنے دوسرے مورثوں کی جائدادوں میں ویسے ہی برابر کا حصّہ دار ہوگا۔ جیسا کہ دوسرا۔ اس لئے یہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں جس پر حکومت یا تجدد پسندوں کی طرف سے رہنمائی کی ضرورت ہو۔

وقف اسلامی سوسائٹی کو مضبوط کرنے کے لئے قانونِ اسلامی نے ایک طرف مالکوں کو وصیت اور سالانہ زکوٰۃ وغیرہ کے ذریعہ غربت کے خاتمہ کی طرف متوجہ کیا ہے تو دوسری طرف ناداروں۔ یتیموں۔ بیواؤں اور رشتہ داروں یا کسی اہم ضرورت کو پورا کرنے کے لئے جائداد کو وقف کرنے پر بھی آمادہ کیا ہے۔ اسلامی تاریخ میں "وقف" پر جس اہمیت کے ساتھ توجہ دی گئی ہے اس کی بنا پر زوال اور ارتقاء کے مختلف دوروں میں وقف نے حکومتوں کے بار کو ہلکا کیا۔ اور مسلم معاشرہ کو بہت کچھ سہارا دیا ہے۔ امام بخاری کے نزدیک سب سے پہلے مسجد نبی کے لئے زمین وقف کی گئی تو واقفین نے کہا کہ " لَا وَاللّٰهِ لَا نَطْلُبُ ثَمَنَهٗ اِلَّا اِلَی اللّٰهِ یعنی خدا کی قسم اس کی قیمت ہم خدا سے ہی لیں گے۔ قرآن کی آیت ہے لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ الخ (تم نیکی اس وقت تک نہیں پا سکتے جب تک کہ اپنی پسندیدہ چیزوں میں سے خرچ نہ کرو) یہ نازل ہوئی تو ابو طلحہ رض نے اپنا باغ بیرحاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورہ پر خود اپنے رشتہ داروں کے لئے وقف کر دیا۔ سنہ ھ میں حضرت عمر رض نے خیبر کی اپنے حصہ کی زمین وقف کرنی چاہی تو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِنْ شِئْتَ حَبَسْتَ اَصْلَهَا وَتَصَدَّقْتَ بِهَا" یعنی اگر چاہو تو یہ شرط لگا دو کہ جائداد کی نوعیت میں تبدیلی کئے بغیر اس کے منافع سے فائدہ اٹھایا جائے گا۔ اسی بنا پر ایسی جائدادوں کے بارے میں علماء نے صراحت کی ہے کہ ان کو ہبہ میں دینا وراثت میں تقسیم یا منتقل کرنا بھی اصل میں تبدیلی ہے اور ناجائز ہے۔ وقف کی حفاظت اور انتظام سے متعلق قرآن و حدیث نے بڑے دور رس

احکام دیئے ہیں۔ ان میں ادنیٰ ترمیم یا ڈھیل وقف کے عظیم مقصد کو ہی ختم کر دیگی جبکہ اس روایت نے مسلم معاشرہ کو حکومت اسلامیہ سے بے نیاز ہو کر ہر دور میں توانائی اور زبردست طاقت عطا کی ہے۔

عمومی جائزہ

اب تک کی بحث و گفتگو کے بعد آپ غور کریں گے۔ تو یہ محسوس ہوگا کہ اسلامی قانون نے مسلم معاشرہ کی بقا اور استحکام کا کیا نظم کیا ہے۔ معاشرہ کو کنٹرول کرنے کے لئے ایک طرف تو مرد و عورت کے دائرۂ کار کو متعین کیا۔ قوم کی سب سے چھوٹے یونٹ (سماجی اکائی) "خاندان" میں خود ہی خاندان کا ناظم مقرر کیا مرد کو کچھ اختیارات دیئے لیکن فرائض کے ساتھ۔ اس کے بعد نظام وراثت کے ذریعہ تقسیم دولت اس طرح کی کہ وہ چند ہاتھوں میں سمٹنے کے بجائے تمام افراد خاندان کو توانائی بخشے تاریخ میں پہلی بار عورت کے معاشرتی حقوق قائم کئے مرد کو دوگنا حصہ دیکر گھریلو مصارف کا بار اٹھانے کے لائق بنایا ہے۔ عورت کو ایک حصہ دیکر اس قابل کیا کہ چاہے تو تنہا زندگی گزارے لیکن نکاح کی ترغیب اس طرح دیدی کہ نکاح کرے۔ تو اس کا حصہ محفوظ ہوگا۔ اور اس کے مصارف شوہر کے ذمہ ہوں گے۔۔ ان احکام کو جس پہلو سے بھی دیکھو ان میں مسلم سماج کی مضبوطی اور استحکام کا سامان ملے گا۔ وہ افراد جن کے مورث دولتمند نہ ہوں یا وہ افراد جنھیں وراثت میں کسی طور پر حصہ نہ ملا ہو ان کے حق میں بظاہر قانون وراثت کا، یہ خلاء وقف اور وصیت کے ذریعہ دولت کو ان تک پہنچانے کی دوہری تدبیر بن جاتا ہے

مسلم پرسنل لا کے نظام کی برکری دوسری کڑی سے وابستہ ہے
اس کی مصلحتوں کا تفصیلی بیان کسی اور موقع کے لئے چھوڑتے ہوئے یہاں ہم
کہنا چاہتے ہیں کہ عقل وحکمت سے بھرپور یہ قانون قرآن وحدیث اور
اجماع صحابہ کی بنیادوں پر قائم ہے - اس کی کسی بنیاد کو بدلنے کا اختیار
نہ عام مسلمانوں کو ہے نہ ان کے علماء کو، اس میں تبدیلی کا مطلب یہ ہے کہ
مسلمان قرآن وحدیث اور اجماع صحابہ سے انکار کردیں۔ یعنی یہ کہ وہ
ترک اسلام کریں - اگر حکومت یا کسی طبقہ کا یہ خواہش ہے تو وہ اپنے
مقصد کو صاف صاف ظاہر کردیں تاکہ مسلمان فریب میں نہ آئے اور
محسوس کرے کہ آزادی اس کے لئے "تبدیلی مذہب" کا نعرہ بھی ساتھ
لائی ہے۔

مسلم پرسنل لا کی سمت دنیائے قانون کا سفر

اسلام آیا تو دنیا کی تہذیبوں، مذاہب کے طرز فکر اور قوموں کے دستور
حیات میں شعوری اور غیر شعوری طور پر بہت سی تبدیلیاں آئیں - اسلامی
قانون نے اپنوں اور غیروں کے نظام زندگی پر زبردست اثر ڈالا۔ عائلی
زندگی کے معاملہ میں اسلام کی اصلاحی تحریک کا یہ اثر تھا کہ عیسائی دنیا
جو بائیبل میں مسیح کی یہ تعلیم پا چکی تھی کہ "جسے خدا نے جوڑا اسے آدمی
جدا نہ کرے۔ (متی ۱۹ : ۶) اور جو کوئی اپنی بیوی کو حرام کاری کے سوا
کسی اور سبب سے چھوڑ دے اور دوسرا بیاہ کرے وہ زنا کرتا ہے"۔
اس تعلیم کی بنا پر ان کے یہاں کسی بھی وجہ سے یہاں تک کہ عورت اپنے شوہر

کو زہر دے تب بھی مرد و عورت میں "طلاق" کی اجازت نہ تھی "زناکاری" کا ثبوت مل جانے پر علیحدگی تو ممکن تھی لیکن دوسرا نکاح نہیں ہو سکتا تھا وقت آیا کہ مسیحی دنیا نے وہی کیا جو ۱۴ سو سال قبل اسلام کر چکا تھا - انگلستان فرانس - بلجیم - جرمنی - ہالینڈ - آسٹریا - ڈنمارک اور سوئزرلینڈ وغیرہ نے اپنے اپنے مذہبی فو رہنما سے بغاوت کی انہوں نے نکاح و طلاق مرد و عورت میں عدالتی تفریق اور فسخ نکاح کے بارے میں جو قدم اٹھائے وہ عرب کے "امی" کے بنائے ہوئے قانون فطرت کی سمت ان کے قافلے کی جادہ پیمائی کا پتہ دے رہے تھے - فرانس میں طلاق کے بعد عورت کی عدت تین سو دن اور بلجیم میں دس مہینے مقرر کی گئی جبکہ مسیحی دنیا میں اس کا تصور بھی نہ تھا - بلجیم - آسٹریا اور سوئزرلینڈ وغیرہ میں خلع کے انداز پر میاں بیوی کو اختیار دیا گیا کہ عدالت سے باہمی رضامندی سے طلاق کی ڈگری لے سکتے ہیں - اسلامی قانون میں چار مہینے تک بیوی کے پاس نہ جانے کی شوہر قسم کھا لے اور پورا نہ جائے - تو اسے ایلا کہتے ہیں بعض علماء فوراً طلاق واقع ہونے اور بعض عدالت کی طرف سے اس بات کو طلاق کی بنیاد قرار دینے اور طلاق واقع کر دینے کی صراحت کرتے ہیں جرمنی میں بے تعلق رہنے کی مدت ایک سال ہالینڈ میں پانچ سال اور سوئزر لینڈ میں دس سال اور سوئیڈن میں ۷ سال کے بعد عورت کو دوسرے نکاح کا حق دیا گیا - یہ تمام واقعات اسلامی قانون کی ناقص تقلید ہیں کہاں طلاق اور طلاق کے بعد دوسرے نکاح کا تصور بھی نہ تھا - لیکن اس کے بعد نہ صرف یہ کہ طلاق کو قانونی شکل دی گئی بلکہ اسلامی قانون جن جن بنیادوں پر

طلاق، فسخ نکاح، خلع، عدت اور دوسرے نکاح کی اجازت دیتا ہے ان سب کو کسی طرح قبول کرلیا گیا۔ ہندوستان اور کئی ملکوں میں لڑکیوں کا حصہ نہ تھا۔ بیوہ دوسرا نکاح نہ کرسکتی تھی سب نے کسی نہ کسی شکل میں اسلامی قانون سے اثر لیا۔ ایک ایسا قانون جس نے دنیا کی رہنمائی کی ہو۔ اس میں کیا ایسی ناقص عقلوں اور خام دماغوں کو تبدیلی کی اجازت دی جاسکتی ہے۔ جو خود رہبری کے محتاج اور گم کردہ راہ ہوں۔

مسلم پرسنل لا۔ سیاست کی زد میں

دستور ہند کے رہنما اصول کی دفعہ ۴۴ میں یکساں سول کوڈ بنانے کی ضرورت کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس لئے مسلم پرسنل لا میں تبدیلی کو ضروری قرار دینے کی کوشش ہوتی رہی ہے حالانکہ اسی دستور میں مذہبی آزادی کو بنیادی حقوق میں شمار کیا گیا ہے رہنما اصول میں شراب بندی کا بھی ذکر ہے۔ مگر اس کے باوجود کانگریسی حکومتوں نے بھی دستور کے احترام کو بالائے طاق رکھتے ہوئے شراب کی کھلی چھوٹ دے رکھی ہے ضرورت پڑنے پر دستور میں بارہا ترمیم کی گئی ہے اس لئے یکساں سول کوڈ کی دفعہ کو بھی بدلا جاسکتا ہے مسلم پرسنل لا میں تبدیلی کے لئے غلط طور پر مسلم ممالک کی مثال دی جاتی ہے۔ حالانکہ تین کے علاوہ مسلم پرسنل لا میں کسی نے ترمیم نہیں کی اور ان تینوں یعنی ترکی۔ البانیہ۔ اور پاکستان نے بھی اپنے یہاں کی اقلیتوں کے پرسنل لا میں تبدیلی کے لئے کبھی کوشش نہیں کی۔ ترکی میں مصطفیٰ کمال پاشا نے اور البانیہ میں کمیونسٹ حکمرانوں نے اسلام دشمنی میں انتہائی

اقدامات کر کے جو حرکت کی تھی۔ اس کی یاد تازہ کرنا حکومت کو زیب نہیں دیتا۔ پاکستان پورے مسلم پرسنل لا میں نہیں بلکہ جزوی مسائل میں ترمیم کی ہے اور جن ایک آدھ اہم مسائل کو چھیڑا گیا ہے۔ ان کی اسلامی قانون دانوں نے مخالفت کی۔ کہا جاتا ہے کہ قومی یکجہتی کے لئے یکساں سول کوڈ ضروری ہے۔ حالانکہ ہندو سول کوڈ ۱۹۵۵ء کے باوجود۔ ہندو قوموں میں مطلوبہ یکجہتی پیدا نہیں کی جاسکی اور یکساں مسلم پرسنل لا کے باوجود مسلم ممالک ایک نہیں۔

قرآن حدیث اور اجماع چونکہ اسلام اور مسلمانوں کی بنیاد ہیں ان کے علاوہ کچھ مسائل ایسے ضرور ہیں جن میں علماء ضرورت محسوس کریں تو ترمیم ہو سکتی ہے۔ لیکن یہ بات حکومت ڈکٹیٹ کرتی جائے اور علماء تصفیہ دیتے رہیں۔ یہ جبر ہوا۔ مذہبی آزادی اس کا نام نہیں۔ رہ گئی یہ بات کہ حکومت کے خیال میں مسلم پرسنل لا کی دفعات مسلم معاشرہ کی پریشانی کا سبب ہیں۔ تو ہمارے خیال میں اس سے زیادہ تباہ کن فسادات ہیں تعلیمی پسماندگی ہے بے روزگاری اور بہت سے علاوہ اور مسائل ہیں۔ ہمدردی کے نام پر "اسلام" میں کتر بیونت کرنے کے بجائے سامنے کے بہت سے مدا‌ئل ہمارے حکمرانوں کی ہمدردی کے زیادہ مستحق ہیں اور ان کی طرف توجہ دلوائی اور چھانگا جیسے دو چار فرد نہیں بلکہ پورے ملک کے مسلمان ۲۵ سال سے حکومت کو متوجہ کر رہے جب اب یہ بات تاریخ کے حوالہ سے کہ حکومت مسلمانوں کو نمائندہ سمجھ کر کن کی بات سنتی اور قدم آگے بڑھاتی ہے۔

مسلم پرسنل لا کے بارے میں چونکا دینے والے جن مسائل کا بار بار حوالہ دیا جاتا ہے ان میں سے ایک تو ہے تعدد ازدواج کا مسئلہ اور دوسرا ہے برتھ کنٹرول۔ حکومت کے نظریات کیا ہیں وہ تو معلوم نہیں لیکن جن جن حلقوں سے ان دونوں مسئلوں کا پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے وہ کیا یہ نہیں کہتے کہ مسلمان کئی کئی بیویاں کرتا ہے اور برتھ کنٹرول پر عمل نہیں کرتا اس لیے اسکی آبادی بڑی تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ اور دوسرے ایک بیوی پر ہی اکتفا کرتے ہوئے برتھ کنٹرول پر عمل بھی کرتے ہیں اس لیے ان کی آبادی گھٹ رہی ہے۔ ان حلقوں کی رائے میں آبادی کے ایک طرف اضافہ اور دوسری طرف کمی کی وجہ سے آبادی عدم توازن کا شکار ہوتی جارہی ہے اور خطرہ ہے کہ مسلمان بیس سال کے بعد اس ملک پر قبضہ نہ کرلیں۔ اس پروپیگنڈہ کے ساتھ ہی اس بات کو بھی پیش نظر رکھئے کہ کشمیر، آسام، بنگال اور کیرالہ میں مسلمان اپنی آبادی کی وجہ سے ہی حکومت میں اہم رول ادا کرنے کے قابل ہوئے ہیں ان ریاستوں میں مسلمانوں کا موثر رول، کچھ لوگوں کی نظر میں تعداد ازدواج پر پابندی اور برتھ کنٹرول کی طرف رجحان پیدا کرکے ختم کیا جاسکتا ہے۔

مسلم پرسنل لا میں تبدیلی کرکے یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ مذکورہ چاروں ریاستوں میں آبادی کی کمی کے ساتھ ہی اور دوسری ریاستوں میں بھی یہ اندیشہ باقی نہیں رہے گا کہ کبھی ان میں بھی مسلمان آبادی بڑھا کر بااثر کردار ادا کرنے کے قابل ہوسکیں۔

خدا کرے حکومت کے نظریات کچھ اور ہوں مگر فسادات میں

مسلمانوں کے بے دریغ قتل ہے، ان کے قاتلوں کی طرف سے مکمل، بے پرداہی اور الٹی مسلمانوں کی گرفتاری سے ہمیں یہ شبہ ہوتا ہے کہ مسلم پرسنل لا میں تبدیلی نہ ہونے تک فسادات کو اس کا بدل بلکہ نعم البدل مان لیا گیا ہے۔ اس لئے کہ فسادات سے نہ صرف یہ کہ آبادی برتھ کنٹرول کا مقصد پورا ہوتا ہے بلکہ مسلمانوں کے بارے میں سمجھا یہ جاتا ہے کہ وہ ناکارہ، بے اثر، بے حوصلہ اور پست ہمت ہو جائیں گے اور حکومت پر اپنی موجودہ آبادی کا وزن ڈالنے اور سیاست میں موثر رول ادا کرنے کے قابل نہ رہیں گے۔ میرے یہ اندازے محض وہم و قیاس ہوں یا حقیقت کی صحیح تصویر اس کا فیصلہ قارئین ہی کر سکتے ہیں البتہ مجھے اپنے رسالہ کے خاتمہ پر برتھ کنٹرول سے متعلق دو باتیں عرض کرنی ہیں ایک مسلمانوں سے اور دوسری حکومت سے۔

برتھ کنٹرول ایک بھیانک سازش

کسی بھی قوم قبیلہ یا پارٹی حکومت یا ملک کا اصل سرمایہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو ان میں امتیازی حیثیت رکھتے ہوں، یہ طبقہ ڈاکٹروں، انجینیروں، پروفیسروں سائنسدانوں، لیڈروں اور اصحاب خیر دولت مندوں کی شکل میں دراصل قوم کی نبض اور قومی ترقی کا معیار ہوتا ہے اسکی تعداد کم ہو تو قوم مفلس ہے اور اسکی تعداد بہت زیادہ ہو تو گویا قوم باوزن ترقی یافتہ اور زمانہ کا ساتھ دینے کے لائق ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ

قوم کے اس طبقہ کے لیے "برتھ کنٹرول" ایک عظیم سانحہ سے کم
نہیں۔ بچوں کی تعداد میں کمی بیشی ان طبقوں کے لیے کوئی مسئلہ
نہیں، یہ تمام طبقات اپنے بچوں کی بہتر طور پر پرورش اور کفالت
کرکے ان کو اپنے معیار پر جس آسانی سے لاسکتے ہیں اتنی آسانیاں
دوسرے طبقات کو حاصل نہیں ہیں۔ دوسری خطرہ کی بات یہ ہے کہ
ہر نئی تحریک، نئے نظریہ اور فیشن کی طرف بھی یہی طبقے سب سے پہلے
متوجہ ہوتے ہیں مسلمانوں میں برتھ کنٹرول کے رائج ہونے کا سب سے
پہلا اثر اور نتیجہ یہی ہوگا کہ ان کے خوشحال گھرانے اور پڑھے لکھے طبقے
جو نئے نئے فیشنوں سے جلد متاثر ہوا کرتے ہیں، برتھ کنٹرول کی سمت
دوڑ پڑیں اب اگر ان طبقات کو برتھ کنٹرول کی طرف متوجہ کردیا گیا
تو ظاہری طور پر اسکے نقصانات کا مسلمانوں کو اندازہ ہونا چاہئے۔
مثال کے طور پر ایک خاندان مسلمانوں کو اپنے شہر میں ۱۵ ڈاکٹر
دے سکتا تھا تو برتھ کنٹرول کے بعد اب اس کی طرف سے مسلم معاشرہ
کو چار چھ ڈاکٹر ہی ملیں گے۔ ایک انجینئر خاندان اپنے بل بوتے پر
۱۵ انجینئر دے سکتا تھا تو اب وہ چار چھ انجینئر ہی دے سکے گا۔
اسی پر دوسرے طبقوں کو قیاس کرلیجئے۔ اس لئے مسلمانوں کو سمجھنا
چاہیے کہ برتھ کنٹرول کا مطلب ان کے حق میں صرف یہ ہے کہ ایسے
افراد کم پیدا ہوں جو ان کے دل ودماغ کی حیثیت رکھتے ہوں۔ وہ
ڈاکٹروں انجینئروں سائنسدانوں پروفیسروں اور ادیبوں،
مصنفوں اور خوشحال افراد کی تعداد سے آہستہ آہستہ محروم ہوتے

جائیں یہاں تک کہ ان کے پاس کروڑوں کی بھیڑ تو ہو لیکن وہ افراد خال خال ہی رہ جائیں جن کی کمی بیشی پر دراصل قوم کا دارومدار ہوا کرتا ہے۔ کسی شہر میں مسلمانوں کے نمایاں ترین دس بیس افراد کو قتل کر دیا جائے تو سوچیے کہ کیا اس شہر کے مسلمان یتیم نہ ہو جائیں گے پھر اگر برتھ کنٹرول کا زہر دیکر ایسے افراد کی پیدائش کا ہی سدباب کر دیا جائے تو بتائیے کہ یہ مسلمانوں پر احسان ہوا یا یہ ایک "عظیم ظلم" اور ایسی بھیانک سازش ہے جس کے نتائج بد کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتے۔

ایک لطیفہ حکومت کی بارگاہ میں

حکومت سے جو بات مجھے کہنی ہے شاید اسے لطیفہ کہکر نظر انداز کر دیا جائے لیکن واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں میں برتھ کنٹرول کا رواج دراصل سوشلزم جمہوریت اور سیکولرزم تینوں کے منافی ہے سوشلزم کا یہ اثر ابھی ہم دیکھ چکے ہیں کہ جن لوگوں کے پاس زیادہ زمین تھی ان سے زمینیں لیکر غریبوں میں تقسیم کرنے کا قانون بنایا گیا تاکہ معاشی طور پہ مساوات پیدا کی جائے اور بڑے کسانوں سے زمین کی وہ مقدار لیلی جائے جو معاشرہ میں نابرابری کا ثبوت بننے کے ساتھ ہی بڑے کسانوں کو غریبوں کے استحصال کے قابل بناتی ہے دولت ہر اس چیز کا نام ہے جو زندگی کے میدان میں جینے کی طاقت فراہم کرتی ہو اور نفع بخش ہو آبادی بھی ایک عظیم دولت ہے زمین کی طرح سوشلزم کے تقاضے کی وجہ سے بڑی قوم سے ان کی آبادی چھین کر کم تعداد والی قوم کو "آبادی" دینے کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ کہ بڑی آبادی والی قوم پر زیادہ بچے پیدا